اسلام تیرا دیس ہے

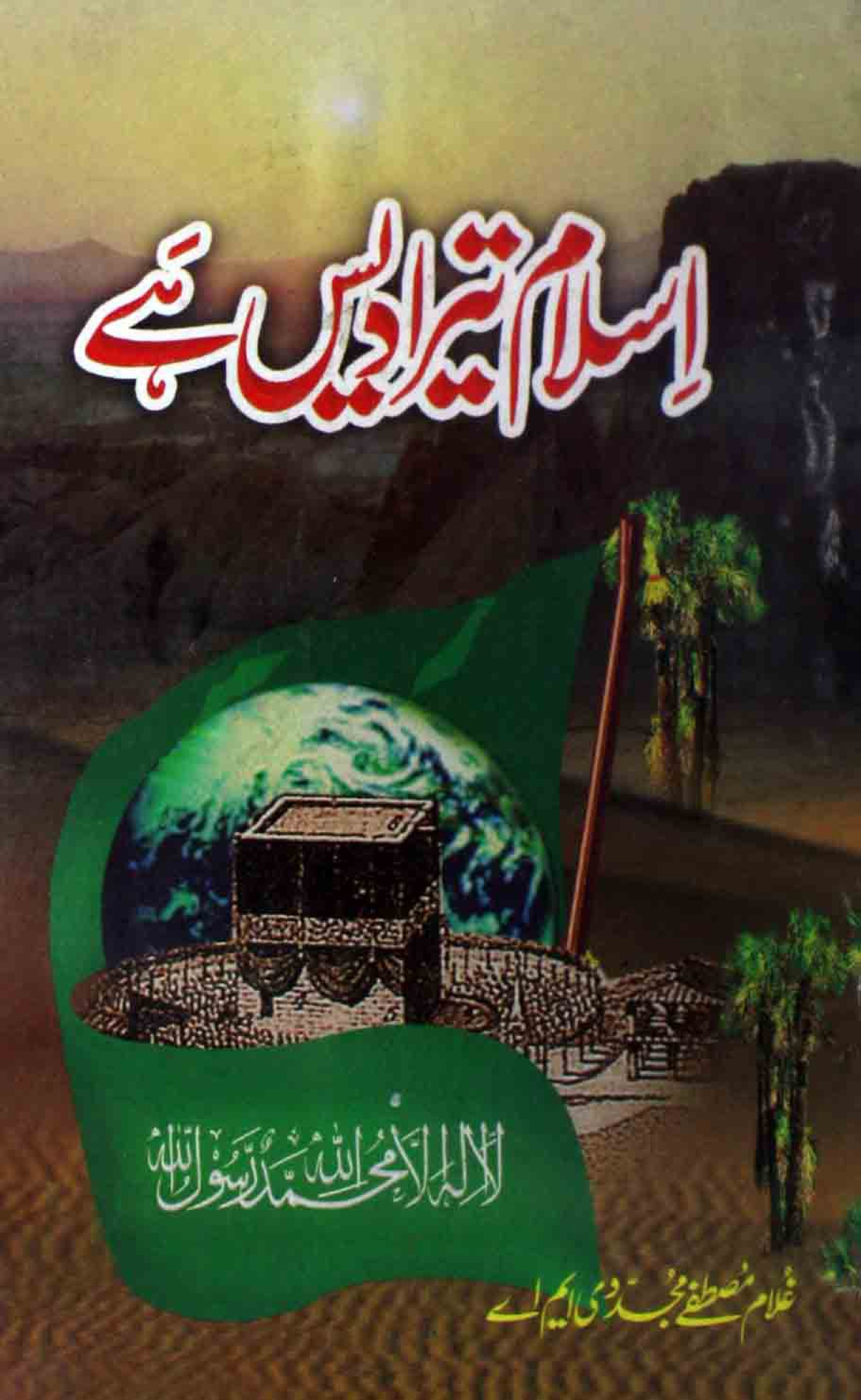
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

غلام مصطفٰے مجددی ایم اے

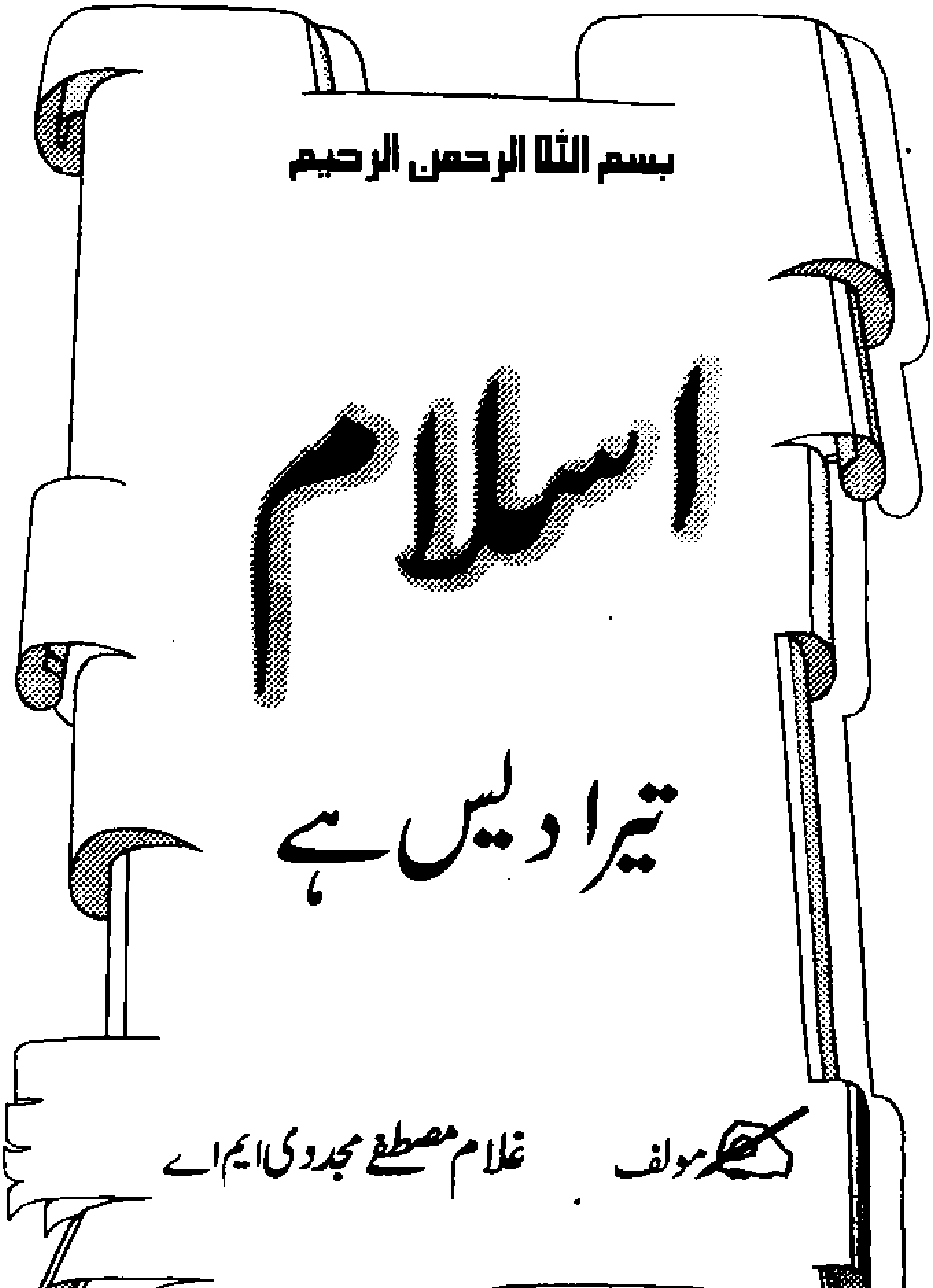

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام

تیرا دیس ہے

مولف غلام مصطفےٰ مجددی ایم اے

imarfat.com

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	اسلام تیرا دیس ہے
مصنف	غلام مصطفیٰ مجددی
اشاعت اوّل	اگست 2001ء
تعداد	1100 سو
زیر اہتمام	ایم احسان الحق صدیقی
ناشر	مکتبہ جمال کرم، لاہور
قیمت	-/80 روپے

ملنے کے پتے:

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ لاہور۔

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 14 انفال سنٹر اردو بازار کراچی۔

فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور 7224899

احمد پور کارپوریشن، عالم پلازہ کمیٹی چوک راولپنڈی

مکتبہ المجاہد دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ، سرگودھا 910763

انتساب

اسلام کے نام

جس نے کفر وضلالت کے بت پاش پاش کر دیئے

آئینہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	اسلام کے احسانات	07
01	انکار اسلام کے اثرات	16
02	قوموں کے مذہبی حالات	19
03	قوموں کے معاشی حالات	23
04	قوموں کے اخلاقی حالات	25
05	قوموں کے سیاسی حالات	28
06	قوموں کے معاشرتی حالات	33
07	دور جدید کے حالات	39
08	مغرب کا انحطاط	45
09	مشرق کا انحطاط	50
10	مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ	53
	اسلام کے تاریخ ساز زمانے	55
11	عہد نبوت	57
12	عہد خلافت	62
13	عہد صداقت	63
14	عہد عدالت	64
15	عہد سخاوت	66
16	عہد شجاعت	68
17	عہد مروت	69
18	عہد ملوکیت	71

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	اسلام کا معاشرتی انقلاب	104
19	ایک عالمگیر معاشرتی انقلاب	109
20	حقوق والدین	110
21	مقام عورت اور اسلام	112
22	ماں	113
23	بہن اور بیٹی	114
24	بیوی	115
25	تعدد ازواج کیا عورت کے حقوق پر حملہ ہے	118
26	یتیموں اور غلاموں کے حقوق	123
27	ہمسائے کے حقوق	128
28	اسلامی معاشرے کا انداز حیات	129
29	اسلامی معاشرہ اور غیر مسلم رعایا	141
	اسلام کے خصائص	145
30	اسلام ہی دین توحید ہے	147
31	اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے	149
32	اسلام ہی اخلاق حسنہ کا معلم ہے	151
33	اسلام ہی نے رحم و عدل کے مسئلہ کو حل کر دیا	153
34	اسلام ہی علم اور علماء کا حامی ہے	154
35	اسلام ہی دین عمل ہے	155
36	اسلام ہی بانی اخوت ہے	156
37	اسلام ہی نے انسان کی انسانیت کے درجے کو بلند تر کیا	157
38	اسلام ہی غیر متعصب دین ہے	158
39	اسلام ہی دین محبت ہے	159

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
40	اسلام ہی مساوات کا بانی ہے	161
41	اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا	162
42	اسلام ہی کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی ہے	163
43	اسلام ہی دین تمدن ہے	164
44	اسلام ہی نیکی کا مذہب ہے	165
45	اسلام ہی سچائی کا مذہب ہے	167
	اسلام اور دور حاضر کے چند حقائق	172
46	بھارت کے مشہور پنڈت کی گواہی	173
47	اسلام ہی دین برحق ہے	175
48	واشنگٹن کا پڑپوتا مسلمان ہوگیا	176
49	چین میں اسلام کا اجالا	177
	ہم کیوں مسلمان ہوئے	179
50	سردار نست سنگھ	181
51	پروفیسر کرشن لال	183
52	ابراہیم کوان	185
53	کاونٹ ایڈورڈ گیادا	186
54	خالد لطیف گابا کھیالال	187
55	شیخ بشیر احمد	189
56	مسٹر داؤد آچمن	192
57	لیڈی بارنس	194

اسلام کے احسانات

اس سے پہلے کہ ہم اس جہان رنگ و بو پہ اسلام کے عالمگیر احسانات کا جائزہ لیں یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ کے پس منظر و پیش منظر کا مشاہدہ کیا جائے۔ خالقِ حقیقی نے انسان کے سر پر اپنی خلافت و نیابت کا تاج سجایا، احسن التقویم کی خلعت فاخرہ سے نوازا، اشرف المخلوقات ہونے کی سند عطا فرمائی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے اس کو خلیفہ کیوں بنایا کیا اس لیے کہ وہ اس کائناتِ ارضی و سماوی کا نظام نہیں چلا سکتا، یا اس کی ذات والاصفات، کتمِ عدم میں گم ہو جائے گی کہ اس صورت میں اس کا خلیفہ اس کے نظام کا محافظ ہوگا۔ یہ سوال ہر اعتبار سے غلط ہے ایسا تو اُس حی و قائم، ازلی و ابدی ذات کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ بھلا جس کو اونگھ تک نہیں آتی اس کو مرگ و فنا سے کیا تعلق۔ پھر اس نے خلیفہ کیوں بنایا۔ اس لیے کہ یہ عالمِ خلق اُس عالمِ امر کے فیضان سے مستفید ہونے کی طبعی استعداد نہیں رکھتا۔ لہذا ضروری تھا کہ وہ اپنے منشائے ازلی کے

مطابق کسی ایسے مجموعہ کمالات کو پیدا کرے جس کا رشتہ عالم خلق سے بھی قائم ہو اور عالم امر سے بھی قائم ہو۔ جو ایک پہلو سے خلقی حاجات کو اخذ کرے اور عالم امر تک پہنچائے اور دوسرے پہلو سے امری فیضان کو اخذ کرے اور عالم خلق میں تقسیم کر دے۔ عالم خلق کو سب سے زیادہ نور ہدایت کی احتیاج تھی کہ اس کا گوشہ گوشہ اُجالوں سے منور ہو جائے۔ کیا اس احتیاج سیقسام ازل واقف نہیں تھا۔ وہی تو واقف تھا، اس لیے اس نے پہلے انسان کو اپنی خلافت کے ساتھ اپنی رسالت کے لیے بھی فرمایا۔ رسالت، نور ہدایت کے سرچشمے کا نام ہے۔ جس سے تشنہ مخلوق سیراب و ضیایاب ہو جاتی۔ قرآن پاک کی اس آیتِ مبارکہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

" قلنا اھبطو امنھا جمعیا فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلاخوف علیھم ولاھم یحزنون" (سورۃ البقر ۳۸)

ترجمہ: یعنی ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے (زمین پہ) اتر جاؤ، پھر میری طرف سے جو ہدایت ملے جو اس کی پیروی کریں گے انہیں نہ خوف ہوگا اور نہ ملال۔

گویا عالمِ خلق کے لیے ہدایت کو ضروری تصور کیا گیا ہے اسی لیے نزول حضرت انسان کے موقع پہ اسکا وعدہ کیا جا رہا ہے۔ اور اُس کی پیروی کرنے والوں کو کامیابی اور پیروی نہ کرنے والوں کو ناکامی کی خبر دی جا رہی ہے۔ ناکامی کا ذکر اگلی آیت مبارکہ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ یاد رہے کہ ہدایت اس وحی الٰہی کے ارتقائی سفر کا نام ہے جس کا آغاز سب سے پہلے خلیفہ، سب سے پہلے انسان اور سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا۔ اور نوح و خلیل، ذبیح و کلیم، ہود و ادریس، لوط و داود، یعقوب و یوسف، اسحاق و الیاس، یوشع و زکریا، اور یحیٰ و عیسیٰ اور ان کے علاوہ ایک لاکھ کئی ہزار انبیا کرام اور رسولان عظام سے ہوتے ہوئے نبی آخر الزماں علیہ و علیہم الصلوۃ والسلام کی ذاتِ خلاصہ

موجودات پہ تکمیل سے ہمکنار ہوا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ جب خلافت و رسالت اپنے نقطہ معراج کو پہنچی تو خالقِ حقیقی نے اپنے شہکارِ محبت، حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کو ظاہر فرمایا۔

قرنوں بدلی رسولوں کی ھوتی رھی
چاند بدلی سے نکلا ھمارا نبی

حضور چونکہ خلافت و رسالت کے نقطۂ معراج پہ فائز المرام ہیں اس لیے خلیفہ اعظم اور رسولِ اکرم ہیں یعنی عالمِ خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس کو جو ملتا ہے حضور کے وسیلہ عظمیٰ سے ملتا ہے کوئی نبی ہو یا غیر نبی ہو سب انہی کے دربارِ کرم کے سوالی ہیں، یہ حقیقت **واللہ یعطی وانما انا قاسم** کی مستند حدیثِ مبارک سے بھی عیاں ہے، ذرا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اِس عبارت پر نظر کیجیے۔

”مرادوں کے سردار اور محبوبوں کے رئیس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، کیونکہ اسی دعوت سے مقصودِ ذاتی اور مدعوا ولیٰ آنحضرت ﷺ ہی ہیں۔ اور دوسروں کو خواہ مراد ہوں یا مرید، حضور ہی کی طفیل بلایا ہے۔ **لو لاہ لما خلق اللہ و لما اظہر الربوبیۃ** چونکہ دوسرے سب ان کے طفیلی ہیں اور ان کے ذریعہ سے فیوض و برکات اخذ کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر سب کو ان کی آل کہیں تو بجا اور درست ہے کیونکہ سب ان کے پیچھے پیچھے چلنے والے ہیں اور ان کے وسیلہ کے بغیر وجود نہیں ہو سکتا تو دوسرے کمالات جو وجود کے تابع ہیں ان کے وسیلہ کے بغیر کس طرح متصور ہو سکتے ہیں۔ ہاں محبوب رب العالمین ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ (مکتوب ۱۲۱ دفتر ۳) امام بوصیری علیہ الرحمۃ نے بھی کیا خوب کہا ہے۔

کلھم من رسول اللہ ملتمس
غرفاً من البحر اور شفا من الدیم

گویا سب رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہیں کہ بحرِ کرم کا یک جرعہ اور ابرِ رحمت کا ایک قطرہ ہی عطا فرما دیجئے۔

اب اگر آپ تخلیق خلافت اور ترسیل رسالت کے بنیادی مقصد سے آگاہ ہو گئے ہوں گے تو سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ظاہر ہے خالقِ حقیقی اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ وہ عالم خلق میں بکھری ہوئی بے شمار مخلوق کی فطرت و جبلت کا بھی خالق ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی مخلوق کو اپنے عرفان اور پہچان سے مالا مال کرنے کے لیے کس راستے پر گامزن کرے۔ یہاں ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ اس حکیمِ مطلق نے عالم خلق کو مختلف و متضاد قوتوں کی ستیزہ گاہ کے طور پر تخلیق فرمایا ہے۔ اگر یہاں اندھیرا ہے تو سویرا بھی ہے حدت ہے تو برودت بھی ہے۔ سختی ہے تو نازکی بھی ہے کانٹا ہے تو پھول بھی ہے سمندروں کی جولانی ہے تو صحراؤں کی ویرانی بھی ہے۔ باطل کی تاریکی ہے تو حق کی روشنی بھی ہے۔ نمرودی، فرعونی اور شدادی ہوائیں ہیں تو خلیلی، کلیمی اور مسیحی فصلیں بھی ہیں، بوجہل کی جہالت ہے تو ابوالقاسم کی صداقت بھی ہے دو راستے ہیں، **وھدینہ النجدین** کے قرآنی الفاظ اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ فجور کا راستہ اور تقوے کا راستہ، تمام مخلوق کو تقوے کے راستے پر چلنے کے لیے پابند کر دیا سوائے سزا و جزا کی مکلف مخلوق کے، اب ہمارا روئے سخن اسی مخلوق کی طرف متوجہ ہوگا۔ مکلف مخلوق کو اچھے بُرے کی تمیز دی، **فالھمھا فجور ھا و تقوھا** پھر کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا۔

قل الحق من ربکم فمن شاء فلیو من و من شا فلیکفر، فرما دو یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے تو جو چاہے قبول کرلے اور جو چاہے انکار کر دے۔

(سورۃ الکھف آیت ۲۹)۔ لیکن اس اختیار کے ساتھ اس نے صراحت و وضاحت سے فجور و تقویٰ ا، اور کفر و حق کے نتائج و عواقب کو بھی بیان کر دیا ہے۔

خبردار اگر برا راستہ اپنایا تو دنیا و آخرت میں ذلیل ہو جاؤ گے اور اگر اچھا راستہ چنا تو دنیا و آخرت میں سر بلند رہو گے۔ ایک راستے کی آخری منزل جہنم ہے اور دوسرے راستے کی آخری منزل جنت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اُس حکیمِ مطلق نے اپنی مخلوق کی فطرت و جبلت کے مطابق کس راستے کو پسند فرمایا اور کس راستے کی تبلیغ و ارشاد کے لیے حضرات انبیا کو مبعوث فرمایا اور کتبِ سماویہ اور صحفِ الوہیہ کا سلسلہ شروع کیا۔ یہاں ہم ایک فرد مسلم ہونے کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ قطعی غیر جانبدار ہو کر بھی سوچیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس حکیم مطلق نے صرف اور صرف اسلام کو پسند فرمایا ہے۔ قرآن پاک میں ارشادِ باری ہے

☆ **فاقم وجهک للدین حنیفاً فطرت الله التی فطر الناس علیها .لا تبدیل لخلق الله ذالک الدین القیم و لکن اکثر الناس لا یعلمون** (سورۃ ۳۰ آیت ۳۰)

یعنی تم ایک خدا کے ہو کر دین کی طرف اپنا منہ رکھو، یہ خدا کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں، یہی دین سیدھا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

☆ **ان الدین عندالله الاسلام''**

ترجمہ: دین تو اللہ کے ہاں صرف اسلام ہی ہے: (سورۃ ۳ آیت ۱۸)

☆ **فمن اسلم فاُو لیک تحروار شدا.**

ترجمہ: تو جو اسلام لایا، وہی لوگ ہیں جنہوں نے اچھے راستے کا ارادہ کی (سورۃ ۷۲ آیت ۱۴)

☆ **یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنواعلی اسلامکم بل**

اللہ یمن علیک ان ھدٰلکم للا یمان ان کنتم صٰدقین۔ (سورۃ ۴۹ آیت ۱۷)

اے محبوب وہ آپ کو احسان جتاتے ہیں کہ وہ اسلام لائے، فرما دو تم مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ، بلکہ یہ تم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی اگر تم سچے ہو۔

☆ **ومن یبتغ غیرا لاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخر ۃمن الخسٰرین۔**

ترجمہ: اور جو اسلام کے سوا کسی اور دین کو اپنائے گا وہ دین اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں شمار ہوگا۔ (سورۃ ۳ آیت ۸۴)

☆ **وان ھذاصراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعواالسبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔** ترجمہ: اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے (سورۃ ۶ آیت ۱۵۳)

☆ **یا ایھاالذین امنو ادخلو فی السلم کافۃ۔**

ترجمہ: اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ (سورۃ ۲ آیت ۲۰۸)

☆ **ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمکم المسلمین۔** (سورۃ ۲۲ آیت ۷۸)

ترجمہ: تمارے باپ ابراھیمؑ کی ملت کہ اسی نے تمارا نام مسلمان رکھا۔ ☆

افمن شرح اللہ صدرہ للا سلام فھو علی نورمن ربہ۔

ترجمہ: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے تو ان کافروں کی طرح ہو سکتا ہے (سورۃ ۳۹ آیت ۲۲)

☆ **افنجعل المسلمین کا لمجرمین مالکم کیف تحکمون۔**

ترجمہ: کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی طرح کر دیں گے تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو۔

☆ اے محبوب یاد کرو! جب ابراھیم سے اس کے رب نے فرمایا اسلام لاؤ اس نے کہا میں اسلام لایا اور اسی کی وصیت ابراھیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کی کہ بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین منتخب کیا: تو تم نہ مرنا مگر مسلمان ہو کر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کا وقت وصال آیا، اس نے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے، انہوں نے کہا ہم تیرے معبود، تیرے باپ دادوں ابراھیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبودِ واحد ہے، اور ہم اسی کے لیے مسلمان ہیں۔ (سورۃ ۲ آیت ۱۳۱ تا ۱۳۳)

☆ اللہ نے تمہارے لیے وہی دین جاری کیا جسکی اس نے نوح کو وصیت کی، جسکی ہم نے تمہاری طرف وحی فرمائی، جسکی ہم نے ابراھیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو، مشرکوں کو وہ دین برا لگتا ہے جسکی طرف تم ان کو دعوت دیتے ہو۔ (سورۃ ۴۲ آیت ۱۳)

☆ وہی ہے جس نے اپنا رسول دین حق کے ساتھ بھیجا کہ وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے، اگرچہ مشرکوں کو برا لگے۔ (سورۃ ۶۱ آیت ۹)

☆ **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً** ۔ آج میں نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند کر لیا (سورۃ ۵ آیت ۳)

ان آیاتِ مبارکہ کو ایک نظر پھر دیکھ لیں، یہ خدائے واحد کے آخری کلام کی روشن نشانیاں ہیں جن کے ذریعے وہ خبردار کر رہا ہے کہ دین فطرت صرف اسلام ہے، اسلام ہی سیدھا راستہ ہے، اسلام کو قبول کرنا اسکا خاص فضل و احسان ہے۔ اسلام کے علاوہ کوئی دین

بھی قابلِ قبول نہیں ، اسلام کے سوا تمام راستے گمراہی کی طرف نکلتے ہیں ۔ اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ ، تمہارا نام مسلمان یعنی اسلام والا ہے ، اسلام ، نور ہے ۔ اسلام والے ، مجرموں کی طرح نہیں ، اسلام کی تبلیغ تمام انبیا کرام نے فرمائی ، مرنا تو اسلام پر مرنا ، اسلام دینِ غالب ہے ۔ اسلام سے ہی خدا راضی ہے ، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیاتِ مبارکہ اسلام کی حقانیت اور حمیت پر شاہدِ عادل ہیں ، گویا اسلام سے بغاوت کر کے اور راستے پہ چلنا اپنی فطرت اور جبلت سے بغاوت ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا میں اس روشن راستے کو ترک کرنے والی قوموں نے تہذیبی ، تمدنی ، مذہبی ، معاشرتی ، سیاسی اور سماجی میدانوں میں ایسی ایسی ٹھوکریں کھائی ہیں کہ تاریخ اُن کی ناعاقبت اندیشی پر ماتم کرتی نظر آتی ہے ۔ عاد و ثمود کی نسلیں ہوں یا نوح و لوط کی قومیں ، بابل و نینوا کے باسی ہوں یا مصر و ایران کے باشندے بنی اسرائیل کے قبیلے ہوں کہ عرب کے بادیہ پیما ، سب اسلام کا دامنِ رحمت چھوڑ کر پیوندِ خاک بن گئے جبکہ اسلامیانِ عالم کو ہر دور میں عزت و حرمت سے نوازا گیا ، سچ فرمایا ہے قرآن پاک نے لله العزة و لرسوله وللمومنين ، عزت و عظمت تو صرف اللہ ، اسکے رسول اور ایمان والوں کے لیے ہے اور منافقین کو اس حقیقت کی خبر نہیں ۔

انکارِ اسلام کے اثرات:

جزا و سزا کی مکلف مخلوق کا مشاہدہ کیا جائے تو اسکی خلقت میں متضاد قوتوں کو بروئے کار لایا گیا ہے ، حضرتِ انسان کو لیجیے ، یہ آگ پانی ، ہوا ، مٹی جیسے تضادات و اضداد کا مرکب ہے ، یہ متضاد قوتیں اپنی اپنی جبلت کے مطابق اسکے پیکرِ محسوس میں سر اٹھاتی رہتی ہیں ، ان متضاد قوتوں کو لباسِ بشری میں مقید کرنے والا حکیم مطلق جانتا تھا کہ ان کو نقطہ اعتدال پر لانے کا کیا طریقہ ہے ، اور اس کا وضع کردہ طریقہ اسلام کے نام سے موسوم ہے ، جسکے ہر پہلو میں میانہ روی اور معتدل مزاجی کا اصول کارفرما ہے ، جب اس پیکرِ اضداد نے

اسلام کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کیا تو بالفعل فطرت کے منظم و منضبط نہ ہونے کی وجہ سے اپنی حیاتِ ظاہری کی کوئی منزل متعین نہ کرسکا، بے مقصود زندگی نے قوائے عمل کو جدوجہد کے جذبات سے عاری کر دیا، آپ جانتے ہیں کہ ایک شُتر بے مہار کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ جدھر کو منہ اٹھتا ہے دوڑتا چلا جاتا ہے، اسلام کے انکار نے اسکو اسی بے راہ روی اور آوارہ خیالی میں مبتلا کر دیا۔ چونکہ اسکی فطرتِ بالقوہ میں خواہش تغذیہ، بصیرتِ نفسی، احساس غم وراحت کے علاوہ فکرِ توحید کا عنصر موجود تھا لیکن اُس مجسمے کی طرح جسمیں روح کی حرارت نہیں ہوتی۔ فکرِ توحید میں یقین کامل روح کی حیثیت رکھتا ہے، اور یقین کامل اسلام کے دامن میں پناہ لیے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ اسلام ہی ہے جو اس اہم ترین جبلی داعیے کی نشوونما کر کے اسے ایک لافانی طاقت کا روپ دے دیتا ہے، ایک پائیدار عقیدے میں ڈھال دیتا ہے اور اس لافانی طاقت اور پائیدار عقیدے کا سہارا لے کر انسان کائنات کی ہر قوت سے ٹکرانے کا عزم رکھتا ہے، ذرا حضور غوثِ پاک علیہ الرحمۃ کے اشعار کا مطالعہ کریں۔

ولوالقیت سری فی جبالٍ
لدکت واختفت بین الرمال
ولوالقیت سرّی فی بحار
لصارا لکل غورا فی الزوال
ولوالقیت سری فوق نارٌ
لخمدت وانتفت من سر حال
ولوالقیت سری فوق میتٍ
لقام بقدرة المولیٰ تعالی

یعنی اگر میں اپنا راز پہاڑوں، دریاؤں، آگ اور میت کو عطا کر دوں تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں، دریا ملیا میٹ ہو جائیں، آگ سرد ہو جائے اور میت زندہ ہو جائے، یعنی متضاد قوتیں جو انسان کی ''مشت غبار'' کو تحلیل کر رہی تھیں اس جبلی داعیے میں یقین کامل کی روح سرایت کر جانے سے اُس کے سامنے جھک گئیں، درحقیقت انبیاءِ کرام کی بعثت و نبوت کا بنیادی مقصد بھی اسی جبلی داعیے کو پروان چڑھانا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے،

''وما ارسلنا من قبلک من رسولٍ الا نوحی الیه انه لا اله الا انا فاعبدون''

ترجمہ: اور اے محبوب! ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا اسکی طرف یہی وحی ارسال کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، میری عبادت کرو (سورۃ ۲۱ آیت ۲۵)

پھر اس میں عقیدے کے ثمرات انسانی زندگی کو نظم و ضبط عطا کرتے ہیں اور اعلیٰ اخلاقی خصوصیتوں سے مزین کرتے ہیں۔ اسلام کی دوری نے انسان کی فطرتِ بالقوہ کے جملہ گوشوں کو یقین کامل سے محروم کر دیا اس لیے وہ نظم و ضبط اور اعلیٰ اخلاقی خصوصیتوں سے بھی محروم ہو گیا، اسی وجہ سے آپ غیر اسلامی تہذیبوں کے اعتقادی اور اخلاقی انحطاط سے بخوبی آشنا ہوں گے، اعتقادی بے یقینی سے انسان نے فطرتِ بالقوہ میں موجود فکرِ توحید کو پاش پاش کرتے ہوئے کثرت پرستی میں اپنی کامیابی تصور کی، کبھی لہروں کی عبادت کی، کبھی پہاڑوں کو معبود مانا، کبھی ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کو سجدے کیے اور کبھی چاند، سورج اور ستاروں کے سامنے سرِ نیاز خم کیا۔ نظم و ضبط کے فقدان نے اسے اخلاقی خصوصیتوں سے بے بہرہ کر دیا۔ وہ خواہش تغذیہ کے جبلی داعیے کی تسکین کے لیے حلال و حرام سے بیگانہ ہو گیا، خود پسندی، جاہ پرستی، تفاخرِ نسبی، اسکی عادتِ ثانیہ بن گئی، جلب زر نے اسکے کردار کا جنازہ نکال دیا، طلبِ منفعت نے اقتدار کے لیے دیوانہ کر دیا۔ حرص و آز اُسکی رگ رگ میں سما گئے، یہاں سے مقدس رشتوں کی پامالی و بربادی کی خونچکاں داستان نے جنم لیا۔ بصیرت

نفسی نے بھی دوسری بیماریوں سے متاثر ہو کر ضمیر کی خلش فراموش کر دی۔ انکارِ اسلام کے اثرات کا جائزہ لینے کے لیے مختلف قوموں کے مذہبی، معاشی، اخلاقی، سیاسی اور معاشرتی احوال و حالات کا مطالعہ ناگزیر دکھائی دیتا ہے، اور پھر جب اسلام کی تعلیمات وارشادات کا ذکر ہوگا تو آپ کی نگاہوں میں اسلام کے احسانات اجاگر ہو جائیں گے، اس عالمِ اضداد میں قانون بن چکا ہے کہ **تعرف الاشیا باضدادھا** یعنی اشیا اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔

قوموں کے مذہبی حالات:

یوں تو اس کائناتِ ارضی میں رہنے والی بہت سی قوموں نے مادی ترقی میں بہت نام پیدا کیا۔ عاد و ثمود نے خوبصورت شہر آباد کیے۔ مصری تہذیب نے فنِ تعمیر میں وہ کمال حاصل کیا کہ ان لوگوں کے بنائے ہوئے اہرام و محلات اس جدید دور میں ''اعجوبہ روزگار'' تصور کیے جاتے ہیں۔ اُن کے فنِ حنوط کی موجودہ طبی اکتشافات میں بھی مثال نہیں ملتی۔ اہل بابل کے باغات نے بھی عقل دنگ کر دی۔ یونان کے فکر و فلسفہ نے صدیوں کو متاثر کیا۔ ضرب و حرب کے نت نئے سامان بھی بنتے رہے۔ پہیہ بھی ایجاد ہوا، اہل چین نے کاغذ سازی کا آغاز کیا تو علم و فن کی دنیا نقشِ حیرت بن گئی۔ لیکن یہ تمام قومیں اسلام سے دوری و ناآشنائی کی بدولت مذہبی میدان میں جہالت و ضلالت کا شکار تھیں، یہاں تک کہ اپنے سب سے اہم فطری تقاضے اور جبلی داعیے ''توحید'' کو بھی چھوڑ گئیں۔ قومِ نوح، قومِ لوط، قومِ ابراھیم، عاد و ثمود، یہود و نصاریٰ، قومِ ہند و چین، قومِ مصر و ایران، قومِ یونان سب مظاہر پرستی، اصنام پرستی اور شاہ پرستی میں مبتلا تھیں۔ ان قوموں نے ہر شعبہ حیات سے متعلق کوئی نہ کوئی خدا تشکیل دے رکھا تھا۔ مثلاً قومِ یونان کے سمندری دیوتا کا نام پوسیڈن تھا۔ اسلحہ سازی کا دیوتا ہیفاسٹس تھا، سورج کو اپولو سنبھالتا تھا۔ ایتھنا حکمت و دانش، فکر و شعور کی دیوی تھی،

جنگ وجدل میں سینکڑوں ایریز کو پکارا جاتا تھا۔ محبت کی بھیک ایفراڈیٹ سے مانگی جاتی تھی۔ قومِ ہندو چین نے بھی سینکڑوں دیوتے پال رکھے تھے۔ ہند میں وشنو، شیوا اور برہما کو خصوصی مقام حاصل تھا۔ ان پر ہی بس نہیں اور بھی ہزاروں چھوٹے بڑے خدا مصروفِ کار تھے۔ مصر میں اوسیرس، آئس اور ہورس کی پوجا کی جاتی تھی، ان کے علاوہ ہر قبیلے کا الگ خدا تھا۔ قومِ عرب بھی اس معاملے میں کسی سے پیچھے نہ رہی، عزیٰ، لات، منات، نجانے کن کن بلاؤں کے سامنے سربسجود ہوتی رہی۔ پھر یہ قومیں اتنی سفاک تھیں کہ ان دیوتاؤں اور دیویوں کو خوش کرنے کے لیے جوان لڑکیوں، بیکس غلاموں اور جنگی قیدیوں کو قربان گاہوں میں ذبح کر دیتیں۔ یونان کے ایک سپہ سالار ایگا میمنون نے آرٹومس دیوی کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لیے اپنی جوان بیٹی افی گنیا کو قربان کیا (تاریخ تہذیب ص ۹۴)۔

چین و ہند میں بھی یہ رواج عام تھا۔ ان معبودوں کے بڑے بڑے مرکز بنائے گئے تھے جہاں مقدس پجاریوں اور ان کے راہنماؤں کے لیے عیش و عشرت کے تمام دروازے کھلے تھے، قومِ نوح، قومِ لوط، قومِ ابراھیم، عاد و ثمود اور یہود و نصاریٰ میں نبوت و صحائف کے سلسلے شروع کیے گئے تھے، ان کو آسمانی ہدایت سے پوری طرح مستفیض ہونے کے مواقع میسر تھے مگر افسوس انہوں نے بھی کسی کی نہ سنی۔ دوسری قوموں میں بھی اہلِ بصیرت حکماء نے جنم لیا، اور وحدت پرستی کی تعلیم دی لیکن ان کی تعلیم کو بھی من مرضی کے نظریات میں بدل لیا گیا۔ اس میدان میں یہود و نصاریٰ کا کوئی مقابلہ نہیں۔ تورات، زبور اور انجیل جیسی عظیم کتابوں کی موجودہ حالت ان کے اندازِ تحریف کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ارشادِ باری ہے **یحرفون الکلم عن مواضعہٖ** وہ اللہ کے کلمات کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور کہیں فرمایا **فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمناً قلیلاً**، خرابی ہے ان کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے

ہیں اور پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے کہ دنیا کا معمولی فائدہ حاصل کر لیں۔

کلامِ خدا کے ساتھ اسقدر ظلم کرنے کا یہ نقصان ہوا کہ ہزاروں انبیاءِ کرام کی عطا کردہ توحید سے بھی رشتہ ٹوٹ گیا۔ تصورِ آخرت بھی دھندلا ہو گیا۔ یہود نے کہا حضرت عزیز علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ یہود تو خدا کے اسمِ گرامی سے بھی محروم کر دیئے گئے، مختلف رسوائیاں الگ مقدر بن گئیں۔

تصورِ آخرت کا انسانی زندگی سے گہرا تعلق انسان کو جزا و سزا سے خبردار کرتا ہے کہ اسکی زندگی میں اچھائی پر عمل کرنے اور برائی سے اجتناب کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے، ان قوموں کے پاس کوئی واضح تصور آخرت نہیں تھا۔ قومِ نوح، قومِ لوط، قومِ ابراھیم، قومِ ہندو چین، قومِ عرب اور قومِ مصر و ایران نے اسکا سرے سے انکار کر دیا۔ انبیا کرام اور دیگر راہنما ان میں تصور آخرت بیان کرتے تو یہ قومیں ان کا مذاق اڑاتیں، عذاب الٰہی کو آواز دیتیں اور ہدایت کے علمداروں کو فکر و شعور سے عاری سمجھتیں۔ بھلا بعث و معاد کی انجانی راہوں پہ ان مادیت پرست قوموں کا یقین کیسے ٹھہرتا جنھوں نے اپنی بصیرتِ نفسی اور فطرتِ خلقی کا گلا گھونٹ رکھا تھا، گویا وہ لوگ کہتے **من یحی العظام وھی رمیم**، گلی سڑی ہڈیوں میں کون جان ڈالے گا، کاش اسلام کو مانتے تو جواب ملتا **یحی الذی انشا ھا اول مرۃ** وہ جان ڈالے گا جس نے پہلی بار ان کو تشکیل دیا تھا کتنا منطقی اور عقلی جواب ہے کہ ظالمو! جس نے پہلے تمہیں زندہ کیا کیا وہ دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ لیکن انسان جب ہٹ دھرم ہو جائے تو **اشد من القسوۃ** یعنی پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔ وعظ و نصیحت کے باوجود مائل نہیں ہوتا، یہی حال ان قوموں کا تھا ایک عربی شاعر نے ان قوموں کی اس ناعاقبت شناسی کو یوں بیان کیا ہے۔ **حیاۃ ثم موت ثم نشر**

حدیث خرافۃ یاام عمرو

زندگی کے بعد موت ہے، پھر اٹھایا جانا، اے محبوبہ ام عمرو سب جھوٹی کہانی ہے (الملل والنحل جلد۲ صفحہ ۲۲۶) یہودو انصاری کی خودستائشی اور طرزِ تفاخری نے انہیں حقیقی تصور آخرت سے دور کر دیا تھا۔ یہود سمجھتے تھے کہ ہم خدا کی مقرب قوم ہیں، ہماری نجات تو ضرور ہوگی، ہم جو بھی کریں گے چند دن کے عذاب کے بعد ہمیں ضرور رہائی مل جائے گی، جنت کا سازو سامان صرف انہی کے لیے ہے، انصاری میں کفارے کا عقیدہ رائج ہو گیا کہ ہمارے گناہوں کی معافی کے لیے خدا کے بیٹے یسوع مسیح نے اپنی قربانی پیش کی اور تمام لوگوں کی نجات کا ذریعہ بنا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ ''عیسائی عقائد میں کفارے کا عقیدہ یہ ہے یسوع مسیح کی قربانی کی بدولت گناہگار انسان خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے۔

عقائد کے علاوہ مذہب اعمالِ حسنہ کی ترغیب دیتا ہے یہ قومیں وہ کام کرتیں جن میں ان کا مفاد مضمر ہوتا۔ اگر وہ کام غلط بھی ہوتا تو اسے درست ہی تصور کیا جاتا، دوسری قوموں کے پاس تو کوئی باقاعدہ مذہب نہیں تھا۔ اُن کا ذکر کیا، یہودونصاریٰ کو تو الہامی مذہب نصیب ہوا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے برگزیدہ راہنماؤں کے حکم اور عمل کو پس پشت ڈال دیا۔ ان لوگوں نے طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے سودخوری اور زناکاری جیسے برے افعال ڈال کے بھی شرعی جواز قائم کر رکھے تھے۔ مثلاً راہبوں اور پروہتوں کے لیے کوئی کام برا نہیں تھا۔ آج بھی کیتھولک فرقے میں پاپائے اعظم کے قول وفعل کو حتمی سمجھا جاتا ہے، بہرحال اس مذہبی پاپائیت نے عوام الناس میں بھی نیکی وبدی کا امتیاز ختم کر دیا۔ تفصیل کا موقع نہیں، قرآن پاک کے اعجاز بیان نے ان قوموں کے تمام مذہبی افکار و حالات کو چند لفظوں میں سمو دیا ہے۔ قتل الانسان ما اکفرہ یعنی انسان اپنے کفر کے ہاتھوں مارا گیا۔

قوموں کے معاشی حالات:

ان قوموں کی معاشی تاریخ حرص و ہوس کی وجہ سے نہایت عبرتناک ہے امراو روساء اپنی عیش و عشرت کے لیے غربا و فقرا کی خون پسینے کی کمائی پر ہاتھ صاف کرتے تھے۔ قوم نوح، قوم لوط، قوم ابرہیم، عاد و ثمود نے ظلم و فساد برپا کر کے اور حصول معاش میں ہر ضابطہ اخلاق بھلا کے اپنی معاشی زندگی کو رنگین بنایا، قوم عاد میں شداد جیسے بے رحم حکمران پیدا ہوئے۔ شداد کے بارے میں آتا ہے کہ اس نے زمین پہ جنت تعمیر کی اور اس کے لیے سونے چاندی کے انبار لگائے۔ اس جنتِ ارضی کے لیے اُس نے کس طرح غریبوں کو لوٹا اس کی ادنیٰ سی مثال پیش خدمت ہے۔

"اُس نے اپنے اہلکاروں کو حکم دیا کہ ایک درہم چاندی بھی کہیں نہ چھوڑو، سب اس جنت میں جمع کر دو، ایک غریب بڑھیا کی یتیم بیٹی کے گلو بند میں ایک درہم چاندی تھی، ظالموں نے اسے بھی نہ چھوڑا۔ (قصص الانبیاء ص ۲)۔

قرآن پاک نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے **ارم ذات العمار التی لم تخلق مثلھا فی البلاد** یعنی قوم عاد نے ارم کے بڑے ستون تعمیر کیے کہ جن کی مثال پورے زمانے میں نہیں۔ یہ قوم اپنی مادی ترقی و عروج کی بنا پر اس قدر مغرور ہو گئی کہ **من اشد مناقوۃ** (وہ کون ہے جو ہم سے طاقتور ہو) کا نعرہ لگانے لگی (سورۃ ۴۱ آیت ۱۵)۔ جب یہ قوم عذاب الٰہی کا شکار ہو گئی تو اس کی جگہ قوم ثمود نے لے لی، معاشی طور پر قوم ثمود، نہایت خوشحال اور ترقی یافتہ تہذیب کی مالک تھی۔ کثرتِ مال اور کثرت اولاد نے اس کی معاشی رعونت میں دم بدم اضافہ کیا۔ مال و دولت کے اکثر ذرائع حرام تھے۔

ایرانی معاشرے میں دو طبقے تھے، امیر اور غریب، امیر بڑی بڑی جاگیروں اور عالی شان محلوں کے مالک تھے جب کہ غریب استحصال کی ہولناک زندگی بسر کر رہے تھے۔

پروفیسر آرتھر نے لکھا ہے کہ ''ایران میں ذات پات کا امتیاز تھا۔ معاشرہ طبقوں میں تقسیم تھا جن کے درمیان ناقابلِ عبور فاصلہ تھا۔ نچلے طبقے کے لوگ خستہ حال تھے، طاقتور، کمزروں کو دباتے اور ان کے ساتھ ظلم وستم سے پیش آتے تھے۔ (ایران بعہد ساسانیاں ص ۵۸۹) ایران کے قدیم جنگ جو بادشاہ اپنے جنگی اخراجات بھی عوام پر ڈالتے، گویا معاشی انصاف نہیں تھا۔ یونان میں سودی نظام نافذ تھا جو غریب ایک بار سود کے آہنی شکنجے میں جکڑ جاتا اس کا آزاد ہونا ناممکن تھا۔ سود کی ادائیگی کے لیے بسا اوقات غریب کو ضروری جائیداد اور بنیادی حقوق سے بھی محروم ہونا پڑتا تھا (تاریخ تہذیب ص ۷۷) روم کی معاشی دہشت گردی کا حال دیکھیے۔

'' عظیم تعمیری منصوبوں اور لگاتار ہونے والی جنگوں اور سرحدی باشندوں کی رشوت کے لیے رقم کی اشد ضرورت تھی، جسے پورا کرنے کے لیے عوام پر ٹیکس بڑھایا گیا۔ سابقہ ٹیکسوں اور خراب فصلوں کے باوجود لگان میں کمی نہیں کی جاتی تھی۔ جائیداد ہتھیالی جاتی تھی، ان معاشی شدائد کی وجہ سے لوگ بغاوت پر اتر آتے تھے۔ ۵۳۲ء کی معاشی بغاوت میں تیس ہزار انسانوں کو ہلاک کیا گیا۔ (انسائیکلو پیڈیا جلد ۱۳ ص ۲۱۱)

دوسری طرف رومن بادشاہوں اور امیر طبقوں کی عیاشی و سہل انگاری کا حال پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مصر کی متمدن قوم بھی معاشی استحصال کا نشانہ بنی رہی۔ بے جا ٹیکسوں کی بھرمار نے کاروبار ختم کر دیئے۔ زراعت تباہ ہو گئی، شہر صحراؤں اور کھنڈروں کی طرح سنسان ہو گئے۔ ہندو چین میں سود خوری اور قمار بازی کا دور دورہ تھا جس کے اثرات سے کوئی بھی ناواقف نہیں۔ جزیرہ عرب کا اکثر علاقہ لے آب و گیاہ ہے۔ وہاں کے باشندے گلہ بانی، تجارت اور زرخیز خطوں میں زراعت کا پیشہ اپناتے قوم قبائل میں تقسیم تھی ہر قبیلہ میں چوری چکاری، جواطرازی، سود خوری اور قمار بازی عام تھی غریب یتیم، بیوہ،

مسکین افراد معاشی ظلم کی چکی میں پس رہے تھے، یہود و نصاریٰ کو الہامی کتابوں کا وارث ہونے کی وجہ سے تمام معاشی برائیوں سے محفوظ ہونا چاہیئے تھا لیکن وہ تمام قوموں کو مات دے رہے تھے۔ ان کے عوام کا کام کمانا اور سیاسی اور مذہبی راہنماؤں کا پیٹ پالنا تھا۔ ان کے نبیوں اور کتابوں نے سود خوری کو حرام قرار دیا تھا مگر انہوں نے اسی برائی کو اپنے معاشی نظام کی خشت اول قرار دیا۔ دنیا دار تو رہے دینادار، مذہبی ٹھیکداروں کی ہوس زر کا اندازہ لگایئے، ارشاد باری ہے۔

ان کثیر امن الاحبار والر هبان لیا کلون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل اللہ و یکنزون الذهب والفضته ولا ینفقونها فی سبیل اللہ۔ بے شک اکثر علما اور راہب لوگوں کا مال ناجائز ہڑپ کر جاتے ہیں اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور سونا اور چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں اور انہیں اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔ (سورۃ التوبہ آیت ۳۴) گویا خواص کی اجارہ داری، عوام کی مفلوک الحالی اور ان کے درمیان سود کا انمٹ رشتہ قرون وسطی کے اقتصادی نظام کی خصوصیات ہیں۔

قوموں کے اخلاقی حالات :

اخلاق کا کیا مفہوم ہے۔ صاحب کنز العمال فرماتے ہیں ”**و نعنی بالاخلاق ماهو من اعمال القلوب**“ یعنی اخلاق دلوں کے اعمال کا نام ہے“۔ دراصل اخلاق انسان کی ان اندرونی کیفیتوں کا نام ہے جو اس میں بے تکلف اعمال و افعال سرانجام دینے کی خواہش پیدا کرتی ہیں۔ ان اعمال و افعال کے صدور کے لیے اُسے سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اگر وہ اندرونی کیفیتیں انسان کو اچھے اعمال و افعال کی طرف مائل کرتی ہیں تو اسے ہم حسن اخلاق کہتے ہیں اور برے اعمال و افعال کا ارتکاب کراتی ہیں تو اسے ہم سو اخلاق کا نام دیتے ہیں۔ سو اخلاق کی بیماری انسان کی اندرونی حالت کو تاریک بناتی ہے تو

اس کا لازمی اثر انسان کی ظاہری حالت پر بھی پڑتا ہے۔ سابقہ قوموں نے اپنی فطرت سے فرار حاصل کر کے برے اخلاق میں پناہ تلاش کی تو ان کی شخصیت مسخ ہوگئی، بعض کو تو ظاہری انسانی صورت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے، قرآن پاک کا ارشاد کونوا قردة **خاسعین** " ہو جاؤ پھٹکارے ہوئے بندر اسی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ قوم نوت، قوم لوط، قوم ابرھیم، قوم عاد و ثمود میں شرک و کفر کے علاوہ فحاشی و عریانی، شراب نوشی، فریب بازی، خون ریزی رشوت ستانی، خود ستائی، بے غیرتی، مذاق انگیزی عام تھی، وہ لوگ اپنے نجات دہندوں کو بھی استہزائیہ نگاہوں سے دیکھتے، ان کے کلام حکمت کو مزاحیہ باتوں سے بیان کرتے تھے، قوم لوط میں لواطت کی انتہا تھی، قوم شعیب کو کم تولنے اور حق مارنے کا خبط تھا۔ تمام قومیں زنا کاری کا شکار تھیں، ہندوستان میں تو شراب خوری اور زنا کاری کو مذہبی تحفظ حاصل تھا۔ ایک خاص تقریب " بھیرویں چکر " میں عورت مرد ایک دوسرے کو برہنہ کر کے پوجا کرتے تھے اور اس میں ماں، بہن، بیٹی، بہو تک کی تمیز ختم ہو جاتی۔ (ملخصا مسلم ثقافت ص ۱۴۱)۔ عالی نسل عورتوں کو پانچ پانچ شوہروں کی اجازت تھی۔ مندروں میں پیشہ ور عورتیں پنڈتوں اور گیانیوں کو داد عیش دیتی تھیں۔ بیویوں پر جوا کھیلا جاتا تھا۔ عرب میں کعبہ مشرفہ کا ننگے ہو کر طواف کیا جاتا تھا۔ شعر و شاعری کا اہم ترین موضوع فحش گوئی اور طعن طرازی ہوا کرتا تھا۔ شعراء اپنی محبوب عورتوں کے ساتھ بدفعلی کے واقعات پر طبع آزمائی کرتے تھے، نفرت و رعونت کا کوئی شمار نہیں تھا۔ سینے حسد اور کینے سے اُبلتے تھے۔ روم میں قحبہ خانے عام تھے رقص گاہیں، دعوت نظارہ دیا کرتی تھیں۔ طبیب، ضبط تولید کے طریقوں پر وسائل فراہم کرتے۔ ول ڈیوران Wal Duran لکھتا ہے۔

"عصمت فروشی عروج پر تھی۔ جسٹینین Jausteen اور اس کی ملکہ نے ختم کرنا چاہا اور عصمت فروشی کا کاروبار کرنے والوں کو قسطنطنیہ سے نکل جانے کا حکم دیا مگر انہیں قلیل

گر کامیابی نہ ہوئی'' (دی ماتج آف فیتھ ص ۱۲۰)

ایران، یونان اور چین اور مصر کے لوگ بھی اخلاقی انحطاط کی انتہائی پستیوں میں گر چکے تھے۔ یہود و نصاریٰ میں بھی جھوٹ، کتم حق، منافقت اور غرور کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ انہی کے بارے میں ارشاد باری ہے، **ومن اظلم ممن افتری علی اللہ الکذب**۔ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اور فرمایا **تجعلونه قراطیس تبدونها و تخفون کثیرا**، یہودیو تم توراۃ کو پارہ پارہ کرتے ہو، کچھ ظاہر کرتے ہو اور بہت زیادہ چھپاتے ہو۔ یہی حال عیسائیوں کا تھا، غرور کا یہ عالم تھا کہ کہتے **نحن ابناء اللہ و احباہ** ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں، ظلم و گناہ میں بہت آگے تھے، قرآن پاک نے فرمایا **و تری کثیراً منهم یسارعون فی الاثم العدوان و اکلهم السحت بئس ما کانوا یعملون**۔ اور تم ان کی کثیر تعداد کو دیکھو گے کہ ظلم اور گناہ میں تیز ہیں اور حرام کھاتے ہیں، کیا ہی برا ہے جو کرتے ہیں، مشہور مورخ گبن Gibbin لکھتا ہے۔

''سسرل کی ایک خاتون دوست ہلیشا تھی، ایک روز اپنی درسگاہ سے گھر آئی تو راستے میں راہبوں کی ایک جماعت نے اسے پکڑ لیا اور برہنہ کر کے گلیوں بازاروں میں گھسیٹا پھرا اسے کلیسا میں لائے اور پادری پیٹر کی گرز سے اسے قتل کر دیا، پھر اس کی نعش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں ڈال دیئے۔ (تاریخ گبن جلد ۳ ص ۳۲۷)

ولیم میور William Muer نے بھی ساتویں صدی کی عیسائیت کی بگڑی ہوئی صورت، فرقہ بازی، توہم پرستی اور بیہودگی کا ذکر کیا ہے، اندازہ کریں جب مذہبی لوگوں کا یہ حال تھا تو دنیادار کیا کرتے ہوں گے۔ ان قوموں کی اخلاقی بے راہروی کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے۔

؎ رتوں پہ بس نہ چلا ورنہ یہ چمن والے
ہوائیں بیچتے، نیلام رنگ و بو کرتے

قوموں کے سیاسی حالات:

انسان فطری طور پر ''مدنی الطبع'' ہے، اس کی فطرت میں یہ عنصر شامل ہے کہ یہ مل جل کر زندگی بسر کرے۔ یہ تنہا نہیں رہ سکتا، اس کی یہی فطرت اسے خاندان بنانے اور بعد میں معاشرے تشکیل دینے کی ترغیب دیتی ہے، معاشرے میں کوئی شخص بھی کافی بالذات نہیں ہوتا، اُسے اپنی بے شمار ضروریات اور لاتعداد خواہشات کی تکمیل کے لیے ایک دوسرے کے تعاون کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔ اسی تعاون سے مختلف کاروبار، فنون وعلوم کا ارتقائی سفر شروع ہوتا ہے۔ انسان کی عاشرتی زندگی کا تقاضا ہے کہ اس کی گوناگوں ضروریات اور متنوع خواہشات کو مکمل آزادی نہ دی جائے ورنہ وہ وپنی خودغرضی کی بدولت معاشرے کے امن وامان کو تباہ کردے گا، ظاہر ہے اگر ہر انسان اپنے مفادات کو ترجیح دے تو باہمی تصادم کو کون روک سکتا ہے، انسان کے اس باہمی تصادم کو روکنے کے لیے کسی منظم ادارے کا قائم ہونا بہت ضروری ہے، اس ادارے کو حکومت کہتے ہیں جو اپنے مقاصدِ وجود کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے قواعد وضوابط کا اہتمام کرتی ہے۔ یہاں سے سیاسی عمل شروع ہوجاتا ہے۔ اور یہ عمل معاشرے کو منظم بنا کر ریاست کی صورت میں ڈھال لیتا ہے، تو گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیاست انسان کی اس جدوجہد کا نام ہے جو اس کو معاشرتی نظم وضبط کا پابند بناتی ہے اور یہ عمرانی علوم وافعال کا وہ شعبہ ہے جو ریاست و حکومت کے حقوق وفرائض کا تعین کرتا ہے اور اس کی مختلف کیفیات کا جائزہ لیتا ہے۔ انسان کی ذہنی وفکری بلوغت نے اس شعبے کو دو حصوں میں تقسیم کیا نظری سیاست اور عملی سیاست۔

نظری سیاست میں فلسفہ سیاست کا ظہور ہے، نظری سیاست میں ریاست کی نوع بہ نوع ابتدائی وارتقائی خصوصیات پر بحث کی جاتی ہے اور عملی سیاست میں حکومتی اداروں کے لائحہ عمل کو دیکھا جاتا ہے۔ اب سیاست کا دائرہ کار وسیع ہو گیا، عمرانی علوم کے ماہرین نے اس کے دائرہ کار کو مطالعہ ریاست، مطالعہ حکومت، مطالعہ انسان، مطالعہ بین الاقوامی تعلقات، مطالعہ سیاسی نظریات تک وسعت دی ہے۔ گویا یہ ریاست کے تاریخی جائزے لے کر موجودہ حالات اور مستقبل کی امکانی صورت کا احاطہ کرتا ہے، چونکہ سیاست باقاعدہ اصولوں اور باضابطہ بنیادوں پر قائم ہے۔ اس لیے ارسطو نے اسے سائنس کا نام دیا ہے اور عصر جدید کے متعدد ماہرین نے اس کی حمایت کی ہے۔ یہ درست ہے کہ سیاست کا تعلق انسان کی بدلتی ہوئی عادات و خیالات کے ساتھ ہے۔ ہم اس کی حتمیت کا کبھی دعویٰ نہیں کر سکتے اور اسے طبعی علوم وفنون کی طرح تجربہ گاہوں میں نہیں آزما سکتے، یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی ملک میں آمریت کے فوائد و نقائص دیکھنے کے لیے وہاں آمریت کو نافذ کر دیں اور اس ملک کو تجرباتی مراحل سے گزارتے گزارتے بربادی کی منزل تک لے آئیں لیکن یہ تو ہو سکتا ہے کہ قرون ماضیہ میں قائم آمریت و حاکمیت کا مطالعہ کریں اور قوموں کی سیاسی زندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کے فوائد و نقائص کا اندازہ لگائیں، ہم انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء انقلاب انگلستان ۱۶۸۸ء کی روشنی میں علی وجہ البصیرہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب چند افراد ریاست کی دولت و ثروت، وسائل و اسباب پر غاصبانہ طور پر مسلط ہو جائیں اور عوام غربت وافلاس کی گھٹن میں حیاتِ مستعار کے دن پورے کر رہے ہوں تو ایسے انقلاباتِ روزگار کو کون روک سکتا ہے۔ اسلامی انقلاب اس کی سب سے اعلیٰ دلیل ہے کہ قوموں کے ارتقائی استحصال نے انہیں اسلامی تہذیب کو سینے لگانے کے لیے بے تاب کر دیا، جس جس علاقے میں بھی اسلامی تہذیب کی شعاعیں جلوہ ریز ہوئیں ظلم وستم کے اندھیروں میں سلگتی

انسانیت نے سکھ کا سانس لیا۔

آیئے اگر ہم نے سیاست کے دائرہ کار کو ذہن نشین کر لیا ہے تو قرون ماضیہ کے رہنے والی قوموں کے سیاسی حالات کا مطالعہ کریں۔

یاد رہے کہ حضرت نوحؑ کے تین بیٹے تھے، ''سام'' یعنی جن کی نسل سے بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل نے جنم لیا، ''یافث'' کی نسل سے ترکوں اور دیگر عجمی قوموں نے جنم لیا اور حام جن کی نسل سے افریقی قوموں نے جنم لیا، آخر الذکر کے ایک بیٹے کا نام مصر یا مصرائم تھا، مصر کی اولاد خطہ مصر میں آباد ہوئی اور طوفان نوح کے بعد قدیم تہذیب کی بنیاد رکھی، تہذیبِ مصر کی سیاسی صورت حال میں بادشاہت اور مطلق العنانیت کا کردار مرکزی تھا۔ ابتداء سے لے کر سکندر یونانی تک اکتیس خاندانوں نے حکومت کی، بادشاہ تمام اختیارات کا مصدر ہوتا تھا، اس کا فیصلہ حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا، بادشاہ کا لقب ''فرعون'' یعنی عظیم الشان محل میں قیام کرنے والا ہوتا تھا۔ یہ لقب خود ہی بادشاہ کی اعلیٰ حیثیت اور عوام کی ادنیٰ حیثیت پر روشنی ڈالتا ہے، اس تہذیب میں قومی اور نسلی تعصب بھی عام تھا، جب حضرت یوسفؑ کے بعد بنی اسرائیل کو مصر میں زوال ہوا تو مصری قوم نے ان پر ظلم وستم کی انتہا کر دی، قران پاک نے **یذبحون ابنائکم و یستحیون نساء کم** یعنی تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے ہیں اور عورتوں کو زندہ چھوڑتے ہیں کی آیتِ مبارکہ میں اس طرف اِشارہ کیا ہے۔ مفسرین کرام کا بیان ہے کہ فرعون مصر کو نجومیوں نے بتایا کہ عنقریب بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جو تیری سلطنت کو تباہ کر دے گا۔ اس نے اُس انقلابی شخصیت کا راستہ روکنے کے لیے بارہ سال تک بنی اسرائیل کے معصوم بچوں کا قتل عام کیا، لیکن خدا کی قدرت کاملہ کے سامنے کس کا زور چلتا ہے، حضرت کلیم اللہؑ کو آنا تھا، وہ آ کر رہے، فرعون مصر کی بیوی کی آغوش میں پرورش پائی، اس کے محلات میں پلے بڑھے اور مصری

تہذیب کی اینٹ سے اینٹ بجادی،

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

وادی دجلہ وفرات کی سمیری تہذیب Smeery Civilization بھی نہایت مشہور ہے جس کے آثار ۴۵۰۰ء قبل مسیح ملتے ہیں، اس کی زبان منگول قوم سے ملتی ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ منگول نسل سے متعلقہ قوم ہو جو وسط ایشیا سے ترک وطن کر کے دجلہ وفرات کے کناروں پر رہائش پذیر ہو۔ اُر، لغاش، اُما، اروخ، کش اس کے مشہور شہر تھے۔ ابتدائی طور پر مذہبی لوگوں کے ہاتھ نظام تھا، لوگ ذات پات کا شکار تھے، بعد میں سیاسی شعور نے بادشاہت کا رنگ اختیار کیا، بادشاہت تمام اخلاقی حدود وقیود سے آزاد تھی، بادشاہ کا دربار نہایت پر تکلف اور آرائش وزیبائش کا گہوارہ ہوتا تھا، مختلف شہروں کے بادشاہ ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے۔ جیسے اُما کے بادشاہ لوغل زغیسی نے لفاش کے بادشاہ اروخ آغن ۲۸۰۰ء ق م پر شدید حملہ کیا اور لغاش شہر کی رونقوں کو ملیا میٹ کر دیا اور بعد ازاں بحیرہ روم تک ترک وتاز کرتے ہوئے تمام ریاستوں کو سیاسی طور پر اپنا غلام بنالیا۔

بابلی تہذیب Bablic Civilization میں بھی بادشاہت اپنے تمام نقائص سمیت موجود تھی۔ بادشاہ کی شوکت وجبروت کے سامنے بیکس عوام سجدہ ریز ہوئے تھے، بادشاہ کے متعین کردہ حکام بالا علاقائی جاگیرداروں، قبائلی سرداروں کے ذریعے انتظامات کرتے تھے، بابلی بخت نصر نے تقریباً ۵۸۸ء ق م میں لاکھوں یہودیوں کو غلام بنایا اور ان پر پچاس سال تک تشدد کے پہاڑ توڑے، بعدہ سائرس ایرانی Great Syrus نے ۵۳۸ء ق م میں بابل کو فتح کیا اور یہودیوں کو یروشلم جانے کی اجازت ملی۔ (ہسٹری آف ریلیجین)۔

ایرانی قوم میں بھی دارا جیسے بادشاہ ہوئے جن کے جاہ وجلال کی ایک دنیا گواہ ہے

۔ساسانی خاندان بھی اسی نظام حکومت کا نمائندہ تھا ساسانی خاندان کے بادشاہ زرتشتی مذہب کی تحریف شدہ تعلیمات کے علمبردار تھے۔ دوسرے مذاہب پر بہت ظلم کرتے، مثلاً شاہ پور نے عیسائیوں کے سولہ ہزار افراد کو اس لیے قتل کر دیا کہ ان کی سیاسی ہمدردیاں روم کی بازنطینی حکومت Bazantine govt کے ساتھ قائم تھیں ۶۱۴ء میں پرویز خسرو نے چھبیس ہزار یہودیوں کے لشکر جرار کے ساتھ مل کر مقدس جنگ کا آغاز کیا اور یروشلم کو خون میں نہا دیا، نوے ہزار عیسائی تہ تیغ کئے اور ان کی اصلی صلیب اپنے ساتھ لے آیا (ایج آف فیتھ ص ۱۴۷) شاہ پور اور پرویز خسرو کے دور میں عیسائیوں پر عرصہ حیات تنگ تھا۔

یونانی سکندر نے یونان کے حکماء کی تعلیمات کی روشنی میں قوم کو مجتمع کیا اور دارا کی مضبوط دیوار توڑی، دارا کے بعد کون تھا جو اس کا راستہ روکتا، چنانچہ وہ مختلف قوموں، علاقوں کو اپنا باجگزار بناتا ہوا برصغیر کی ہندی ریاستوں سے آ ٹکرایا۔ یونان میں بادشاہت میں مشاورت کا عنصر موجود تھا۔ بلکہ بادشاہ عام لوگوں کی طرح خود بھی کام کرتا تھا۔ روم کی بازنطینی حکومت کا دارالحکومت قسطنطنیہ تھا جس کا بادشاہ قیصر کے لقب سے یاد کیا جاتا وہ مطلق العنان ہوتا، تمام اختیارات کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا۔ ایک نومسلم محمد اسد لکھتے ہیں۔

" رومی شہنشاہیت پر ملک گیری کا خیال مسلط تھا، وہ اپنے ملک کے لیے دوسری قوموں سے پورا فائدہ حاصل کرتے، لوٹ کھسوٹ اور اونچے طبقے کے لیے ظلم و بیدردی کرنا کوئی عیب نہیں تھا۔ مشہور رومی انصاف صرف رومیوں کے لیے تھا" (اسلام دوراہے پر)۔

جاپان میں بادشاہوں کو سورج دیوی کی اولاد تصور کیا جاتا تھا۔ چونکہ سورج دیوی تمام معبودوں کی سردار تھی اس لیے اس کی اولاد بادشاہ پوری قوم کے سردار تھے، اس عقیدے نے عیش وعشرت کا پیدائشی حقدار صرف بادشاہ کو بنا رکھا تھا جس پر اس کی نظر عنایت ہوتی وہ عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتا تھا۔ قوم چین، بادشاہ کو آسمانی نمائندہ خیال

کرتی تھی، ہندوستان میں راجوں مہاراجوں کی حکومت تھی، اس کا ہر حکم حرف آخر ہوتا اور رعایا پر اس کی تعمیل فرض ہوتی تھی اگرچہ ہڑپہ اور موہنجوڈارو کی تہذیب نے ہندوستان کا رابطہ قدیم مصری تہذیب سے جوڑ رکھا تھا تاہم آریاؤں نے ہندی قوم کو مختلف ریاستوں میں تقسیم کردیا۔ آریاؤں نے ہندی قوم کے ساتھ ظلم کی انتہا کر دی، وہ اسے ''شودر'' کہتے اور زندگی کی ہر سہولت سے اسے بیگانہ رکھتے، اس طبقاتی نظام میں کوئی منظم سیاسی ماحول پروان نہ چڑھ سکا۔ قوم عرب میں قبائلی نظام تھا، ایک سردار ہوتا جس کی اتباع کرتے، عرب سکندر اور اردشیر جیسے فاتحین کی زد میں بھی آیا۔ طوائف الملوکی Anarchy تھی، قبائل برسوں برسر پیکار رہتے اور ظلم و تعدی کے نت نئے تجربات کرتے تھے۔ یہود کا سیاسی شعور ان کی فطری سرکشی کی بنا پر قوموں پر اثر انداز نہ ہو سکا۔ مختلف قوموں کی غلامی میں زندگی گزارنے سے ان کی فطرت مسخ ہو چکی تھی۔ اسلام کے بہت سے نمائندے ان کی ہدایت کے لیے آئے، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام جیسے عظیم حکمرانوں نے انہیں ایک عظیم سیاسی طاقت کے طور پر متعارف کرایا لیکن بعد میں اپنے اعمال کی بدولت معتوب ہونے سے نہ بچ سکے۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کی ناشکری کی بنا پر اپنا سیاسی اثر و رسوخ کھونا پڑا، نصاریٰ کو بازنطینی حکمرانوں کا سایہ ملا تو وہ بھی دوسری قوموں کے لیے بھیڑیا بن گئے۔

قوموں کے معاشرتی حالات:

ہم لکھ آئے ہیں کہ انسان فطری طور پر مل جل کر رہنے کو پسند کرتا ہے کہ مادیت پرستی اور خود غرضی کے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے مفادات کو بچائے اور دوسرے کے مفادات کو زیر و زبر کر دے۔ یہ تو اسلام تھا جس نے آغاز انسانیت سے ہی انبیاء کرام کے ذریعے انسان کو ان مذموم جذبات سے دور رہنے کی تبلیغ و تلقین فرمائی اور معاشرتی اقدار کو فروغ دینے کا راستہ دکھایا۔ قوموں کے مزاج پر شیطنت غالب تھی، شرک و کفر کے گہرے

سانے مسلط تھے اس لیے انہوں نے ایک دوسرے کے حقوق و فرائض سے روگردانی کو معاشرتی وطیرہ بنالیا۔ دنیا کی تمام مہذب اور غیر مہذب قوموں میں ذات پات کا رواج تھا۔ اس رواج نے معاشرے کو عدل و انصاف، مساوات، اخوت و یگانگت، صلہ رحمی و ہمدردی، رشتوں کے تقدس سے ناآشنا کر دیا۔ علامہ البیرونی نے ہندوستان کے بارے میں لکھا ہے۔

''شودر کی حیثیت برہمن کے غلام کی ہے، اس کو برہمن کے کام میں مصروف رہنا اور اس کی خدمت کرنا چاہیے، ہر وہ کام جو برہمن کے لیے مخصوص ہے مثلاً مالا جپنا، وید پڑھنا، آگ کی قربانی دینا، شودر کے لیے منع ہے۔ اگر شودر یا ویش کے مطلق یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے وید پڑھا ہے تو برہمن اس کی اطلاع حاکم کو دے اور حاکم اس کی زبان کاٹ دے'' (تحقیق الہند ص ۴۵)

اسی طرح شودر برہمن کا پس خوردہ کھائے، مہینہ میں ایک دفعہ حجامت بنوائے اگر کسی برہمن کو چور کہے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ دیا جائے اگر کسی برہمن، کھشتری یا ویش سے سخت کلامی کرے تو اس کی زبان میں سوراخ کر دیا جائے۔ اگر کسی برہمن کی توہین کرے تو لوہے کی میخ گرم کر کے اس کے منہ میں ڈالی جائے۔ اگر بڑی ذات کے آدمی کے ساتھ بیٹھے تو اس کا پہلو کاٹ دیا جائے۔ شودر کو دھرم کی تلقین نہ کی جائے جو ایسا کرے وہ دوزخ میں جائے گا، ذرا سوچیے انسانیت کی اتنی تذلیل پڑھ کر کلیجہ کس طرح منہ کو آتا ہے۔ ہند میں بدھ مت اور جین مت اسی برہمنی نظام کے خلاف بغاوت تھی مگر یہ مذہب بھی دوبارہ اسی ظالم سماج کا حصہ بن گئے، عورت کو مرد کے برابر کوئی حق نہیں دیا جاتا تھا، بلکہ اسے مرد کی عیاشی کا سامان تصور کیا جاتا تھا۔ مرد مر جاتا تو اس کی بیوی کو اس کے ساتھ زندہ جلایا جاتا، اس ظالمانہ روش کو ''ستی'' کہتے ہیں۔ جوان لڑکیوں کو مندروں

میں ذبح کر کے دیوتاؤں کو خوش کیا جاتا، ''خوبصورت ناریاں'' پنڈتوں کی جنسی خواہشات کا شکار ہوتیں، مہاراجے لاتعداد عورتوں کے جذبات سے کھیلتے، ایک عورت سے کئی مرد شادیاں کرتے۔ محرمات کی کوئی پہچان نہیں، سگی بہنوں سے شادی جائز تھی۔ ویدک دھرم میں عورت کو دھوکے باز، کم عقل اور شکوک عصمت والی کہا گیا ہے۔ اس سے محبت نہیں ہو سکتی۔ اس کا دل حقیقت میں بھیڑوں کا بھٹ ہے (رگوید منڈل ۱۰ منتر ۱۵)۔ ایران میں بھی محرمات کا کوئی لحاظ نہیں تھا۔ مشہور ایرانی شہنشاہ بہمن نے اپنی بہن ھمائی سے شادی کی اس کے شکم سے دارا پیدا ہوا (ہسٹری آف پرشیا ص ۳۹۱) اس طرح بیٹی سے بھی شادی کی جاتی، ساسانی عہد میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ دوست کی بیوی سے دوست جنسی تسکین حاصل کر سکتا تھا۔ ایرانی قوم کی صحبت سے متاثر ہو کر عیسائیوں نے بھی محرمات سے شادیاں کیں حالانکہ ان کی شریعت میں اس کی حرمت و ممانعت درج تھی۔ ایرانی معاشرہ بھی اونچ نیچ کا شکار تھا پروفیسر آرتھر لکھتا ہے۔

''ایرانی سوسائٹی کی عمارت دو ستونوں پر قائم تھی۔ ایک نسب اور دوسری جائیداد، طبقہ نجبا اور عوام الناس کے درمیان نہایت محکم حدود قائم تھیں۔ دونوں کی ہر چیز میں امتیاز تھا۔ سواری میں، لباس میں، مکان میں، باغ میں عورتوں میں اور خدمتگاروں میں (ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۱۸) ادنی ذات کے لوگوں سے کوئی کام لینا اعلیٰ ذات کے لوگ توہین سمجھتے تھے، مثلاً نوشیرواں کو ایک بار جنگی ضروریات کے لیے رقم کی سخت ضرورت تھی، ایک مالدار موچی نے رقم دینے کا وعدہ کیا، لیکن ساتھ گزارش کی کہ میرے بیٹے کو اپنے بیٹے کا وزیر بنایا جائے، بادشاہ نے رقم لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمارے بیٹے کو نیک بخت وزیر کی ضرورت ہے (ایضاً)۔ یونان کا فلسفہ حیات مشہور تھا مگر وہاں بھی انسان دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا، احرار اور غلام، غلام کے بارے میں یونانی فلسفیوں کے بڑے روح فرسا خیالات ہیں،

ارسطو کا مشہور قول دیکھئے۔ **"غلام ایک آلہ ھے جس میں جان ھو"** گویا وہ اسے انسان سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔ عورت کی حالت ناگفتہ بہ تھی فلسفی افلاطون کے نزدیک عورت اور مرد کے آزاد تعلقات سے اعلیٰ صلاحیتوں کی حامل اولاد پیدا ہوگی، (کتاب الجمع ص ۱۸) افلاطون کے فلسفے میں اضافی بچوں، معذور اور بیمار بچوں کو قتل کرنا جائز ہے تاکہ مثالی شہر کے باشندے ذمہ دار ہوں (ایضاً) یونانی فلسفی اپنی قوم کو سردار اور دوسری قوموں کو غلام تصور کرتے تھے۔ یہ نسلی تفاخر کی بدترین تعلیم ہے، یہی حال یہود و نصاریٰ کا تھا۔ بابل کی تہذیب میں عریانی و فحاشی معاشرے کا جزو تھی۔ مصر میں غلاموں کے ساتھ نہایت ناروا سلوک ہوتا، اہرام مصر کی تعمیر میں لاکھوں غلام اور مزدور منوں وزنی پتھر اٹھا کر لاتے، انہیں کوڑوں سے پیٹا جاتا تھا۔ غلاموں سے بحری جہاز چلانے کا کام بھی لیا جاتا تھا۔ روم میں غلاموں کی درندوں کے ساتھ لڑائی بڑے شوق سے دیکھی جاتی جہاں وہ بیچارے اپنی موت سے جنگ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں تھا۔ جہاں غلام نہ موجود ہوں اور لونڈیاں نہ رکھی گئی ہوں، حاکم آذربائیجان کے پاس سترہ سو ترک، یونانی اور حبشی غلام تھے اور چودہ سو لونڈیاں تھیں، غلاموں اور لونڈیوں کی منڈیاں لگتیں تھیں، لونڈیوں سے قحبہ گری کا پیشہ بھی کروایا جاتا تھا۔

عرب میں معاشرتی زندگی نوحہ سرا تھی۔ زنا عام تھا، حصول اولاد کے لیے بیوی کو دوسرے مرد کے پاس بھیجا جاتا، سوتیلی ماؤں، دو حقیقی بہنوں سے نکاح جائز تھا۔ ایک عورت کے کئی مرد ہوتے اور ایک مرد کو کئی بیویاں رکھنے کا حق حاصل تھا۔ مرد بیوی کو ہزار بار طلاق دے کر رجوع کرسکتا تھا۔ بیٹی کو زندہ درگور کر دینے کی رسم تھی۔ مفلسی کے خوف سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ بیوہ کو باعث نحوست سمجھا جاتا۔ عورت کا وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ نسبی و نسلی غرور عام تھا۔ کچھ قبائل اپنے آپ کو دوسروں سے افضل و اعلیٰ سمجھتے تھے، حج

کے دوران بھی قریش و کنانہ کے قبائل دوسروں کے ساتھ ملنے کو باعث عار گردانتے۔ خود ستائی یہاں تک تھی کہ عرب اپنے علاوہ دوسری قوموں کو عجم خیال کرتے، عرب میں کوئی شخص مر جاتا تو لوگ اسکی نماز جنازہ میں اللہ کی حمد و ثنا اور اسکے لیے دعائے مغفرت کرنے کی بجائے اس کی تعریف کرتے اور غلو سے کام لیتے، (بلوغ الارب ۲ ص ۲۸۸) عرب میں تو بم پرستی عروج پر تھی، بارش حاصل کرنے کے لیے گائے کی دم کے ساتھ شاخیں باندھ کر آگ لگا دیتے اور اس کو دشوار گزار پہاڑیوں میں دوڑاتے۔ سردار کی قبر پر اونٹ کا خون بہاتے ، مرنے والے کے غم میں ماتم کرنے، گریبان چاک کرنے اور سر منڈوانے کی رسم تھی، بلکہ اسکی وصیت کی جاتی تھی۔ معاقرہ جیسی قبیح رسم میں اونٹوں کو بے رحمی سے قتل کیا جاتا جو زیادہ اونٹ ذبح کرتا وہ فاتح ہوتا، عرب بادیہ نشین تھے، بکریوں، بھیڑوں اور اونٹوں کے ریوڑ پالتے تھے، چراگاہوں پر طاقتوروں کی اجارہ داری تھی۔ پانی کے چشموں پر قبضے ہوتے تھے۔ دیگر اخلاقی بیماریاں عرب کے جاہلی معاشرے کا حصہ تھیں۔ تاہم وہ لوگ فصاحت و بلاغت، مہمان نوازی، بہادری اور چند اچھی رسومات کے حامل تھے، بعض افراد کا توحید پر بھی ایمان تھا۔ مثلاً حضور پیغمبر ﷺ کے آباؤ اجداد توحید کو ماننے والے تھے اور جاہلی معاشرے کی تمام تر کمزوریوں اور قباحتوں سے مبرا تھے، قرآن پاک نے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی ہے۔ "**ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امه مسلمه لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم. ربنا وابعث فیهم رسولا من انفسهم**" اے ہمارے رب ہمیں اپنا تابع فرمان رکھ اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت تیری تابع فرمان رہے۔ ہمیں حج کے احکام سکھا اور ہماری توبہ قبول کر بے شک تو تواب و رحیم ہے، اے ہمارے رب ان میں ان کے نفسوں میں سے ایک رسول بھیج" (سورۃ البقرہ آیت ۱۲۸)

اس آیت مبارکہ نے بتایا کہ عرب میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد سے ایک جماعت ضرور ''امت مسلمہ'' کے طور پر قائم رہی، اس جماعت کے عقائد و اعمال پر جاہلی معاشرے کے اثرات کا سایہ نہ پڑا اور اسی جماعت میں حضور پیغمبر اسلام ﷺ کا ظہور نور ہوا، آپ کی متعدد احادیثِ مبارکہ بھی ثابت کرتی ہیں کہ آپ کے آباو اجداد امتِ مسلمہ اور ملتِ حنیفہ کے مایہ ناز سپوت تھے۔ ایک حدیثِ مبارکہ دیکھئے،

'' **لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات والمشركون نجس** '' میں ابتدا سے آخر تک پاکیزہ افراد کی پشتوں سے پاکیزہ عورتوں کے رحموں میں منتقل ہوتا آیا ہوں، اور مشرک ناپاک ہوتے ہیں (روح المعانی)

اس حدیثِ مبارک نے تمام شبہات دور کر دیے ہیں اور قرآن پاک کی آیت مبارکہ کی تفسیر بیان کر دی ہے۔ عرب کے علاوہ دوسری تہذیبوں میں بھی کچھ خوبیاں موجود تھیں۔ مثلاً مصری فن تعمیر کے ماہر، سمیریوں کے ایک بادشاہ ''اروخ آغن'' کے عدل و انصاف اور دیگر معاشرتی اصلاحات کا شہرہ تھا۔ ہند میں ریاضی نے فروغ حاصل کیا، سندھی علاقے میں پرامن تہذیب قائم تھی، بدھ نے وحدت کا درس دیا۔ چین میں کنفیوسش ۵۵۰ ق م اور ایران میں زرتشت ۶۶۰ ق م نے بھی توحید سکھائی، بعد میں ان کی تعلیمات کو بدل دیا گیا۔ ایران میں سائرس جیسے بادشاہ کا بھی ظہور ہوا جس کے بارے میں بعض نے کہا کہ وہ قرآن پاک کا ''ذوالقرنین'' ہے۔ یہود و نصاریٰ میں بھی پیغمبرانِ اسلام کے ماننے والوں کی ایک جماعت برقرار رہی۔ ہم نے سابقہ صفحات میں جو قوموں کی اعتقادی، اخلاقی معاشی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کا تجزیہ پیش کیا ہے تو سیرت و کردار میں اچھائی کا نور نہیں تھا۔ قلیل تعداد میں جو انسانیت کا جوہر موجود تھا تو اس میں پیغمبرانِ اسلام کا فیض تھا۔ وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کی اسلامی تعلیمات سے روشنائی ہوئی۔ عرب کی محدود''

امتِ مسلمہ“ میں حضرت خلیل اللہ اور حضرت ذبیح اللہ علیہما السلام کی تعلیمات رائج تھیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تحقیق کے مطابق ہند میں بھی انبیا کرام کا ظہور ہوا۔ یہود کے قیام بابل کے دوران حضرت دانیال علیہ السلام جیسے نبی ان کی راہنمائی کرتے رہے۔ قیام مصر کے دوران حضرت موسیٰ اور ہارون نے ان کی قیادت کی صحرائے سینا میں حضرت یوشع بن نون، ان کے مرشد رہے۔ فلسطین میں جناب زکریا و یحییٰ نے ان کو سہارا دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ نورِ ہدایت سے قلیل افراد نے استفادہ کیا، کثیر تعداد نے تمرد و بغاوت اختیار کی، یہ یہودیت اور عیسائیت اسی تمرد و بغاوت کا نتیجہ ہے ورنہ حضرات کلیم و مسیح نے تو اسلام پھیلایا اور اسلام کی طرف لوگوں کو بلایا تھا۔ ان کی کتابیں نور، ہدایت، شفا، اور نصیحت بن کر اتریں اور زمانے کی راہنمائی کا سرچشمہ بنیں۔ گویا شروع سے جس جس کو کوئی فائدہ پہنچا تو صرف اسلام کی بدولت پہنچا، جس میں کوئی خوبی آئی تو فقط اسلام کی بدولت آئی۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے **لکل قوم هاد**، ہر قوم کی طرف ہدایت دینے والا آیا ہے۔ اب یہ مسلمہ امر ہے کہ قرآن پاک جس کو ہدایت والا کہتا ہے وہ اسلام کا ہی داعی ہوگا قرآن پاک کے ہاں اسلام کے علاوہ ہدایت کا کوئی تصور نہیں، حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

”فلاسفہ کا علم طب و نجوم اور علم تہذیب اخلاق جو ان کے تمام علوم میں سے بہتر علم ہے۔ گذشتہ انبیا علیہم السلام کی کتابوں سے چرا کر اپنے باطل علوم کو رائج کیا ہے۔ جیسا کہ امام غزالیؒ نے اپنے رسالہ المنقذ عن الضلال میں تصریح فرمائی“ (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول)۔ معلوم ہوا کہ فلاسفہ کے ہاں جو علوم نافعہ کا ذخیرہ ملتا ہے وہ ان کے فکر کا کمال نہیں، پیغمبرانِ اسلام کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ گویا وہ اسلام اور اہل اسلام کا ہی فیضان ہے۔

دورِ جدید کے حالات:

دنیا میں حاصل [illegible] اسلام [illegible] ول، ہدایت کے سب سے

بڑے داعی حضور محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے، آپ نے ۶۳ سال کی حیات ظاہری سے اس دنیا کو مشرف فرمایا۔ اہل شعور جانتے ہیں کہ آپ نے دنیا میں آتے ہی عرب کے دورِ جہالت میں اسلام کی شمع روشن کر دی، پیدا ہوتے ہی خدائے واحد کو سجدہ کرنا کیا توحید کا اعلان اور معبودانِ باطلہ کا بطلان نہیں۔ رب ھب لی امتی کے الفاظ میں کیا آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی موجود نہیں، سیدہ حلیمہ سعدیہ کے گھر پروان چڑھنا کیا اس بات کا ثبوت نہیں کہ آپ غریب پرور ہیں، اپنے رضاعی بھائی کے لیے شیرِ مادر وقف کرنا آپ کے عدل وانصاف کی دلیل نہیں، عالمِ طفولیت سے لے کر عنفوانِ شباب تک کتنے انقلاب آپ کی بدولت رونما ہوئے، چالیس سال تک کسطرح آپ کی سیرت و کردار نے قوم عرب کو متاثر کیا، جب آپ نے خاموش تبلیغ کے بعد اعلان نبوت اور اظہار بعثت کا مرحلہ شروع فرمایا تو قوم عرب نے آپ کی سیرت و کردار میں کوئی عیب نہ دیکھا، سب آپ کو صادق وامین سمجھتے تھے۔ اور قرآن پاک نے بھی آپ کی سیرت و کردار کو توحید اور اس کے متعلقہ عقائد کی برھان قرار دیا ہے **و لقدلبثت فیکم عمراً افلا تعقلون** یعنی میں نے تم میں ایک عرصہ بسر کیا ہے، تم عقل نہیں کرتے، یعنی یہ نہیں دیکھتے کہ جس نے چالیس سال تک جھوٹ نہیں بولا، امانت میں خیانت نہیں کی، کسی کا حق نہیں مارا، کسی کو تنگ نہیں کیا، غریبوں، مسکینوں، یتیموں، اور غلاموں کو نہیں ستایا، تم خود ان اوصاف کے گواہ ہو، ان اوصاف کا اقرار کرتے ہو، پھر تم ایسے عظیم السیرت انسان کا اعتبار کر کے کیوں نہیں اللہ وحدہ کی عبادت کرتے، کیوں نہیں اسلام کی عظمت کو سلام کرتے، حقیقت یہ ہے اور اس حقیقت کو اسلام کے جانی دشمنوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت کردار، معجزات و کمالات، آفاقی تعلیمات اور عالمگیر کتاب اور اسلام کی ناقابل تردید حقانیت کو دیکھ کر کفار عرب اور یہود و نصاریٰ کے پاس انکار کا کوئی جواز نہیں تھا، انہوں نے انکار کا راستہ تو نسلی تعصب وعناد

کی وجہ سے اپنایا، دنیا جانتی ہے کہ ہزاروں مصائب وشداید، لاکھوں آلام ومہالک کا مقابلہ کرکے پیغمبر اسلام نے دیکھتے دیکھتے پورے عرب کو اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا، اسلام کے احسانات سے وحشی عرب قوموں میں تہذیبی و معاشرتی، اخلاقی و عمرانی انقلاب کا پیش خیمہ بنے، گویا پیغمبر اسلام کے اعلان نبوت سے لے کر وصال مبارک تک کا ۲۳ سالہ دور انقلاب روزگار کا بنیادی سبب ہے، سرلیمر ٹنے کیا خوب کہا ہے۔

This man maved not only armies legislations, empires, people and dynasties but millions of men in one third in the then inhabited world, and more than that , He moved the altars , The gods, The religious, the ideas the reliefs and the souls

اس دور میں یونان کا فلسفہ موت کے دروازے پر سسک رہا تھا، ایران، چین، ہند، مصر، روم سب خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے، ہر تہذیب وتمدن آخر دم توڑ رہا تھا: یورپ پر جہالت کی عمیق کہر چھائی تھی، امریکہ دُنیا کے نقشے پر ناپید تھا پیغمبر اسلام کی ٹھوکر سے بت ٹوٹے، عرب جاگے، اور پوری دُنیا میں نئے پیغام کے داعی بن کر اُبھرے، اور بقول سر ہمبولٹ (Humbolet) دریائے فرات سے لے کر اسپین اور وسط افریقہ کی اقوام تک اپنا اثر ورسوخ بڑھایا

اسلام کو ابتداء سے ہی یہود ونصاریٰ کی شدید دشمنی کا سامنا کرنا پڑا، جوں جوں اسکا اثر ورسوخ بڑھتا گیا، یہود ونصاریٰ کی دشمنی میں اضافہ ہوتا گیا: انہوں نے خلافت راشدہ خلافت اُمویہ اور خلافت عباسیہ کے ادوار میں ہزاروں فتنے کھڑے کیے لیکن اسلام کو یورپ افریقہ اور ایشیا میں پھیلنے سے نہ روک سکے: یہود ونصاریٰ کی آپس میں ازلی عداوت تھی، یہودی، ایرانیوں کے ساتھ مل کر نصاریٰ کو تباہ وبرباد کرچکے تھے، حضرت عیسیٰؑ اور ان کی عفت مآب والدہ سیدہ مریمؑ کو اخلاق سوز گالیاں دیتے تھے، مگر اسلام دشمنی نے ان دونوں

گروہوں کو متحد کر دیا، فرزندان اسلام اور اہل صلیب کے درمیان خون ریز جنگیں بھی ہوئیں نورالدین زنگی، صلاح الدین ایوبی اور سلاطین ترکیہ نے پوری عیسائی دنیا کو ہلا کر رکھ دیا، اس دوران پوری دنیا نے عیسائیوں کی بدعہدی، خون ریزی کے منظر دیکھے اور فرزندان اسلام کے عدل وانصاف، عفو ودرگزر کے نمونے مشاہدہ کیئے، صلیبی فتح کی صورت میں مسلمانوں پر ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑتے مثلاً ۱۰۹۹ء میں انہوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا جو ۱۱۸۷ء تک جاری رہا، بریفائٹ Brefiet نے لکھا ہے کہ صرف بیس سال کے عرصے میں ان عیسائیوں نے سارے ملک کو برباد کر دیا، جاگیردارانہ نظام جاری کیا ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے یورپی سرداروں کے حوالے کر دیا، انکا کام صرف دولت سمیٹنا تھا (تشکیل انسانیت صفحہ ۳۰۰) موسیو Moseu نے لکھا ہے کہ جب ان کی پہلی مہم بلغاریہ سے گزری تو تمام دیہات وقصبات میں قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا، جو انسان نظر آتا مار دیتے، جو بچہ ہاتھ آتا اسکی تکا بوٹی کر ڈالتے، مفروروں کا گوشت اپنی فوج کو کھلاتے، جہاں سے گزرتے بستیاں قبرستان بن جاتیں (تمدن عرب صفحہ ۲۹۶)

فتح بیت المقدس پہ مسلمانوں کا قتل عام کیا ہر طرف ہاتھوں اور پاؤں کے انبار لگ گئے ہیکل سلیمانی جیسے مقدس مقام پہ پناہ لینے والے دس ہزار مسلمانوں کو بھی معاف نہ کیا (تشکیل انسانیت صفحہ ۲۳۳)۔ اسیران جنگ کی آنکھیں نکالنا زبان کاٹنا، خصی کرنا کھال کھینچنا، زندہ جلا دینا صلیبوں کا مشغلہ تھا اور مسلمان فتح کی صورت میں رعایا پر رحم کرتے، جانوروں، کھیتوں، بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور مکانوں کا خیال رکھتے وہاں علم و فضل کے بیج بوتے، رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کو فروغ دیتے، روزگار کا اہتمام کرتے، رفاع عامہ کی یادگاریں قائم کرتے، مفتوحہ اقوام کو آزادی سے محروم نہ رکھتے، اخوت سلامی، مساوات سرمدی کے اصولوں پر حکومت کرتے، عیسائی اپنے سب

سے بڑے دشمن صلاح الدین ایوبی کو شریف دشمن کے نام سے یاد کرتے تھے عیسائی دوشیزائیں اپنے لشکریوں کے ہاتھوں لٹتی تھیں مگر مسلمانوں کا کوئی سپاہی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا چنانچہ رچرڈ حاکم انگلستان کی بہن شہزادی جین Jane نے اسے یہاں تک کہا تھا کہ میں اپنے آپ کو صلیبی لشکر میں محفوظ نہیں سمجھتی جتنا صلاح الدین ایوبی کے لشکر میں محفوظ سمجھتی ہوں، اندلس یورپ کا دروازہ تھا، وہاں مسلمانوں نے گہرے اثرات مرتب کیے اور اپنے بیش بہا علوم وفنون کو یورپی درسگاہوں میں منتقل کیا، یورپ نے مسلمانوں کے علوم و فنون کو بنیاد بنا کر دنیا کو حیرت پاش ایجادات واکتشافات سے نوازا اور انہی ایجادات و اکتشافات کے ذریعے یورپی اقوام نے دنیا کے گوشے گوشے پہ دھاک بٹھائی، بالخصوص انکا ہدف مسلم علاقے تھے جہاں انہوں نے قبضہ کرنے کے بعد اپنی تہذیب وتمدن کو فروغ دیا۔ غلط عقائد ونظریات اور قبیح اخلاق واعمال پیدا کیے، موجودہ دورِ جدید یورپ کے انہی ''احسانات'' کا ڈسا ہوا ہے جسے ہم انسان کا ''جدید دورِ جہالت'' بھی کہہ سکتے ہیں۔

آج انسان چاند پر جا چکا ہے، سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر رہا ہے۔ سمندر کی دبیز تہوں میں رصدگاہیں قائم کر رہا ہے، مریخ ومشتری پر کمندیں پھینک رہا ہے۔ ایک لمحے میں علاقوں کے علاقے بھسم کرنے پر قادر ہے۔ ہواؤں میں برق رفتاری کے مظاہرے کر رہا ہے۔ کلوننگ ہو رہی ہے گویا

؎ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

اس حیرت پاش سائنسی ترقی کے باوجود یورپ نے انسان کو وحشت وبربریت، عریانی وفحاشی، آزادروی، بیدادگری کی تعلیم دی ہے۔ عورت اور مرد لباس کی حدود وقیود سے باہر آگئے ہیں، نگاہوں میں شرم وحیا کے آبگینے ٹوٹ چکے ہیں، مفاد پرستی عروج پر ہے، یورپ کے ''احسانات'' سے آگے بڑھنے والا امریکہ آج دنیا کا ''نجات دہندہ'' بن رہا ہے تو کس

imarfat.com

اصول پر، اسکی سیاست کا ہر اصول کذب وفریب پر مبنی ہے۔ کفریہ اقوام کی اجارہ داری میں پروان چڑھنے والی ''اقوامِ متحدہ'' کے کون سے ضوابط ہیں، مسلمانوں پر ظلم ہو تو خاموش رہو یا غیر موثر احتجاج بلند کرو، کشمیر لٹ جائے، بوسنیا کٹ جائے، چیچنیا ذبح ہو جائے، صومالیہ بلک اٹھے، عراق پر قیامت نازل ہو جائے کوئی پرواہ نہیں، اسرائیل، امریکہ، فرانس، برطانیہ، بھارت کے کسی معمولی مفاد پر آنچ آ جائے تو سلامتی کونسل کے ایوان لرز اٹھیں کوئی زیادہ دیر تو نہیں ہوئی، کہ افغانی جو امریکی سرمایہ داری نظام کے سب سے بڑے دشمن روسی سوشلزم Socialism کو عبرت کا نشان بنا چکے اور جو کل تک امریکی نوازشوں کا نکتہ ارتکاز تھے آج دہشت گرد ہیں۔ وہ صدام حسین جو امریکی مفاد کا پاسدار تھا آج معتوب ہے۔ مغربی طاقتوں کے رویے میں یہ موسموں کی طرح ''طوطا چشمی'' نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا یہ کہنا بے جا ہے کہ مغربی قومیں دوسروں کو ٹیشو پیپر کی طرح استعمال کرتی ہیں اور پھینک دیتی ہیں۔ آج سے چودہ سو سال پہلے پرویز خسرو اور ہرقل کے اُس وحشیانہ فکروعمل اور اس دور کے علمبرداروں کے وحشیانہ فکروعمل میں کیا فرق ہے۔ بیسویں صدی کی پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کے ہولناک مناظر کا مشاہدہ کرنے والے آج بھی موجود ہوں گے پہلی جنگِ عظیم میں ۴۷ لاکھ اور دوسری جنگِ عظیم میں ۱۰۶ لاکھ افراد لقمہ اجل بنے، انقلابِ فرانس ۶۶ لاکھ اور انقلابِ روس ۱ کروڑ افراد کے خون سے برپا ہوا۔ کیا مغربی تہذیب کے داعیوں اور قرونِ مظلمہ کے وحشیوں میں کوئی امتیاز وانفراد نظر آتا ہے۔ دونوں عالمگیر جنگوں میں اقوامِ مغرب کے یہی ''مقدس حقوق'' اور ''پاکیزہ مقاصد'' دکھائی دیتے تھے اور آج بھی وہ انہی پر عمل پیرا ہیں مثلاً قوموں کو تقسیم کرنا، ذاتی مفاد حاصل کرنا، اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے والی قوم کو تباہ کرنا، اپنی تجارت کو ترقی دے کر دوسرں کی دولت پر اجارہ داری قائم کرنا، اپنے نظریات ٹھونسنا، ان حقوق و مقاصد کے لیے اُن کا اولین نشانہ اسلام رہا ہے۔ لیکن انہوں نے

صدیوں کے تجربے سے بھی یہ سبق نہیں سیکھا۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دو گے

اب ہم اسلام سے دور رہنے والی اقوامِ ماضیہ کے مختلف حالات بیان کرنے کے بعد دورِ جدید کی ان اقوام کے مختلف حالات بیان کرتے ہیں جن کے مقدر میں آج تک اسلام کا نورِ ہدایت نہ ہو سکا، اس طرح آپ ماضی وحال کا تجزیہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کرنے پر قادر ہو جائیں گے کہ جسطرح ماضی میں اسلام انسان کی اولین ضرورت تھا آج بھی اولین ضرورت ہے، اور اس نتیجے کی روشنی میں یہ کہنے کے لیے بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں گے کہ اسلام ہی مستقبل میں انسان کی اولین ضرورت ہوگی۔

مغرب کا انحطاط:

دنیا کی قدیم تہذیبیں مشرق میں پروان چڑھیں، مغرب میں سن ۸۰۰ ق م سے پہلے کیا تھے، تاریخ خاموش ہے، لوگ وحشی تھے، آدم خور تھے، آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، روم کے ذریعے عیسائیت آئی مگر انسان کی قسمت کا ستارا نہ چمکا، قرونِ وسطی (۴۷۶ء تا ۱۴۰۰ء) میں اقوامِ مشرق اسلام کی برکت سے مالا مال ہو رہی تھیں" جبکہ یورپ کا بیشتر حصہ لق و دق بیابان یا بے راہ جنگل تھا۔ کہیں کہیں راہوں کی خانقاہیں اور چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد تھیں۔ جا بجا دلدلیں اور غلیظ جوہڑ تھے۔ لنڈن اور پیرس جیسے شہروں میں لکڑی کے ایسے مکانات تھے جنکی چھتیں گھاس کی تھیں، چمنیاں روشندان اور کھڑکیاں مفقود، آسودہ حال امرا فرش پر گھاس بچھاتے اور بھینس کے سینگ میں شراب ڈال کر پیتے ---- تمام آدمی مویشیوں سمیت ایک ہی کمرے میں سوتے، --- عوام ایک ہی لباس سال ہا سال تک پہنتے، نہانا گناہ تھا۔ پاپائے روم نے سسلی اور جرمنی کے بادشاہ فریڈرک ثانی ۱۲۵۰ء پہ

کفر کا فتویٰ لگایا تو فہرستِ الزامات میں یہ بھی درج تھا کہ وہ ہر روز مسلمانوں کی طرح غسل کرتا ہے“ (معرکہ مذہب وسائنس ص ۳۶۰ از ڈاکٹر ڈریپر)

فلپ روم نے ۱۵۹۸ء نے اشبیلیہ کے گورنر کو اس لیے معزول کر دیا کہ وہ ہر روز ہاتھ منہ دھوتا ہے، برطانیہ کے لاٹ پادری کی قبا پر بھی سینکڑوں جوئیں چلتی پھرتی نظر آتی تھیں، لوگ سبزیاں، پتے اور درختوں کی کھال ابال کر کھاتے۔ لندن کے بازاروں میں انسانی گوشت فروخت ہوتا۔ چند امرا تھے جن کا کام زنا، شراب نوشی اور جوا تھا۔ جاگیرداروں کے قلعے ڈاکوؤں کے اڈے تھے۔ غریبوں کے جسم گرم سلاخوں سے داغتے، سوزاک اور آتشک کی امراض عام تھیں، (ایضاً) سترھویں صدی میں برلن کا کوئی حال نہیں تھا۔ ۱۸۷۷ء تک رومہ میں غلاظت کے ڈھیر اور گندے پانی کے جوہڑ جابجا نظر آتے تھے، (اایضاً ص ۴۲۵) برطانیہ میں غلاموں کا کاروبار ہوتا۔ ایک غلام کی قیمت پانچ شلنگ ہوتی۔ بقول ڈاکٹر ڈریپر ”یورپ کے ظالم سرداروں اور بادشاہوں نے جو سلوک عوام سے کیا اگر کتوں سے کیا جائے تو غیض وغضب کا طوفان برپا ہو جائے۔ لنڈن پھانسیوں کا شہر کہلاتا تھا، (تشکیل انسانیت ص ۳۹۰) اندلس میں مسلمانوں نے پورے یورپ کے لیے تہذیب و تمدن کے راستے کھول دیئے مگر یورپ نے اپنے محسنوں کے ساتھ کیا کیا، تاریخ کا ہولناک باب ہے۔ ۱۴۱۰ء میں مسلمانوں کو ترکِ وطن کا حکم ملا، ڈیڑھ لاکھ مسلمان بندرگاہ کی طرف نکلے تو بلیڈا نامی پادری نے اپنے بدکردار ساتھیوں کو لیکر نہتے مسلمانوں پر حملہ کیا اور ایک لاکھ جانوں کو کاٹ کر رکھ دیا، لاکھوں کتابیں، ہزاروں کتب خانے، جلا دیئے، یہ مسلمان تھے، عیسائیوں میں سے لوتھر Lother نے کلیسائی نظام کے خلاف آواز بلند کی تو اسے ۲۴ اگست ۱۵۷۲ء کو قتل کر دیا گیا اور اسکے پچاس ہزار ”پروٹسٹنٹز“ Protestenters کو بھی ہلاک کر دیا۔ کلیسائی نظام کے سربراہ پوپ ہوتے جو دنیا کی ہر بری عادت کے رسیا تھے، حددرجہ کے

بے رحم اور انسانی دشمن تھے، اسلامی تہذیب کے کسی اصول پر عمل کرنے والے کو قید اور جرمانے، زندہ جلانے کی سزا دیتے، چناچہ ۱۴۱۸ء تا ۱۸۰۸ء ان پوپوں نے تین لاکھ چالیس ہزار انسانوں کو المناک سزائیں دیں (معرکہ مذہب و سائنس ص ۲۰۵) اس بے رحم تہذیب کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، آج اتنی ترقی و عروج کے باوصف بھی رنگ و نسل کا امتیاز بڑھ رہا ہے، گورے، کالوں کو انسان نہیں سمجھتے، برطانیہ میں انگلینڈ، ویلز، سکاٹلینڈ اور آئرلینڈ شامل ہیں مگر آج تک کوئی آئرش وزارتِ عظمیٰ پر فائز نہیں ہوا۔ پوپ ہمیشہ یورپ سے ہوتا ہے، بیس صدیاں گزر گئیں مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے آبائی علاقے سے اس منصب پر کوئی نہ بیٹھ سکا کسی انگریزی کالونی میں انگریزوں کے علاوہ کوئی کمانڈر نہ ہو سکا۔ اسی طرح آج عریانیت نے مغرب کا جنازہ نکال دیا ہے۔ ماں، بہن، بیٹی تک کا امتیاز نہیں، حیوانیت بڑھتی جا رہی ہے۔ اخبارات، ٹی وی، ویڈیو اس کے فروغ میں کوشاں ہیں بلکہ اب تو ڈش کے ذریعے دوسری قوموں کے اخلاقیات کو بھی برباد کیا جا رہا ہے۔ سکولوں، کالجوں کے طلبا و طالبات جنسی خواہشات سے لبریز ہیں، ہزاروں جوڑے ایسے ہیں جو اپنے فعل حرام سے اولاد حاصل کرتے ہیں اور بعد میں نکاح کرنے کا سوچتے ہیں۔ شہری آبادی سے پاکیزہ دامن خاتون کا رشتہ ملنا مشکل ہے۔ اور تو اور شاہی خاندان کی بہو بیٹیاں کتنے کتنے خوفناک الزامات کی زد میں ہیں۔ والدین سے ناروا سلوک ہوتا ہے، ان کے لیے الگ ’’Elders Home‘‘ بنے ہوئے ہیں۔ رشتہ داروں، ہمسائیوں کا کوئی لحاظ نہیں۔ اساتذہ کا احترام نہیں، ۵ نومبر ۱۹۹۶ء کے پاکستان اخبار میں ایک واقعہ شائع ہوا جس میں بتایا گیا کہ لندن کے ایک سکول کے متعدد طلبا نے اپنی دو استانیوں کے ساتھ زیادتی کی اور ان کی آبروریزی کے بعد فرار ہو گئے۔

یورپ کے موجودہ اخلاقی انحطاط کا اندازہ ڈاکٹر ہارون کے بیان سے لگائیے۔

''جو کچھ میں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ چند افراد چرچ میں جاتے ہیں اور ان افراد کی اکثریت اس پر یقین رکھتی تھی جو وہ سنتے یا کرتے تھے۔ لوگ سماجی رسم کے طور پر چرچ جاتے تھے یا دکھلاوے کے لیے یا پھر گپ شپ کرنے اور اس سے بھی بڑی چیز کہ وہ کاروبار کے لیے جاتے یا آجر کو خوش کرنے کے لیے، مجھے کم و بیش یہی بتایا گیا کہ ایمان بچوں اور بوڑھی عورتوں کے لیے ہوتا ہے نہ کہ ایسے نوجوانوں کے لیے جو دنیوی معاملات سے بے خبر ہوں ۔۔۔ سکول میں مذہب کی تعلیم دینے والے ترقی پسند قسم کے استادوں کے ہاں جناب مسیح کے معجزات کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب نشریاتی ادارے جناب مسیح کی توہین کرتے ہیں اور ایسی فلمیں دکھاتے ہیں جن میں انہیں بے حیائی کے کاموں میں مصروف دکھایا جاتا ہے تو عیسائی کچھ نہیں کرتے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ پرواہ نہیں کرتے لیکن مسلمان واقعی کھرا ایمان رکھتے ہیں۔ اگر کوئی ان کے رسول اللہ ﷺ کی اہانت کرتا ہے تو سخت پریشانی سے دوچار ہوتے ہیں''

میں انگریز معاشرے میں ذاتی تعلقات میں جمع و تفریق کا عادی تھا، وہاں لوگ فراخ دل نہیں تھے، وہ کوئی چیز نہیں دیتے تھے۔ وہ شراب کا ایک دور خریدتے اور پھر اس وقت تک انتظار میں بیٹھے رہتے کہ دوسرے تمام لوگ باری باری شراب خریدیں اور بدلے میں انہیں پلائیں، لوگ دوستی خریدتے اور بیچتے تھے۔ آپ ان سے ملنے جائیں تو کسی چیز کی پیشکش نہیں ہوگی۔ ایک گھنٹہ کے بعد ایک بسکٹ اور کپ چائے دیا جائے گا۔ جس ماحول کا میں عادی تھا وہاں جنگ تھی، سب کی جنگ اور سب کے خلاف، مسلمانوں کی تقریبات میں اعلیٰ معیار، معقول مقدار میں کھانا مفت فراہم کیا جاتا ہے۔ مسجد میں لوگ مہربان، خلیق اور ہمدرد دکھائی دیتے ہیں، وہاں کا والہانہ ماحول انگریزی تقریبات کی سرد مہری سے کہیں مختلف ہوتا تھا۔ جب میں مسلمان خاندان سے ملا تو ان کے بچے دل موہ لینے والے تھے۔ آپ ان

ے کسی گستاخانہ جواب کے بغیر بات کر سکتے ہیں۔ ان کے ننھے ننھے سر خوبصورت بچگانہ خیالات سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ عجیب وغریب بیہودہ، ذہنی طور پر الجھے ہوئے انگریز بچوں کی طرح نہیں (میں نے اسلام کیوں قبول کیا۔ (Why I accepted Islam)۔ نیز مذکورہ نومسلم سکالر کے مطابق یورپی معاشرے میں بے یقینی، سوگواری، بے مقصدی، خود غرضی، تنہائی، بے احساسی، پریشان خیالی بیمار ذہنی جگہ جگہ دکھائی دیتی ہے، وہ لوگ رحمتِ خدا سے مایوس سے نظر آتے ہیں۔

آج مغرب میں جرائم کی شرح تمام دنیا سے زیادہ ہے، معیشت کھوکھلی ہے، آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ امریکہ دنیا کا سب سے بڑا مقروض ملک ہے، اخلاقی طور پر یہ اتنا گرا ہوا ہے کہ بقول کرنل قذافی دنیا میں ایڈز کے پھیلاؤ کا ذمہ دار ہے۔ اسکی ایک خفیہ ایجنسی کے ماہر نے اس مرض کے وائرس کے قیدیوں پر تجربات کیے اور بعد میں رہا کر دیا۔ ہیٹی کے یہ قیدی جہاں جہاں بھی گئے "یہ امریکی تحفہ" پھیلاتے گئے۔ (نوائے وقت ۴ نومبر ۱۹۹۶ء) آج یہ بیماری مغرب سے نکل کر مشرق کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے دنیا کا کوئی ملک اس سے محفوظ نہیں۔ ذرا قدرت کی پھٹکار کا یہ رنگ بھی دیکھیے کہ جو امریکہ پوری دنیا کی معاشیات کنٹرول کرنا چاہتا ہے، انٹرنیشنل ڈیسک کی رپورٹ کے مطابق نوفنسن یونیورسٹی کے خوراک کے سلسلہ میں قائم ہونے والے سنٹر نے تحقیقات کیں تو معلوم ہوا کہ امریکہ میں 12 ملین بچے غربت وافلاس کے سبب موت کے اندیشوں میں گم ہیں، سنٹر کی رئیس لیڈی براؤن کہتی ہے کہ امریکہ میں بچوں کو متوازن غذا دستیاب نہیں۔ اور بین الاقوامی سطح پر امریکہ کی ساکھ کو شدید خطرہ ہے (نوائے وقت ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۶ء)

اخلاقی زبوں حالی کا عالم دیکھیے کہ ہر روز ۱۳۰۰ ٹین ایجر لڑکیاں ماں بن جاتی ہیں اور امریکی حکومت ہر سال ان ناجائز بچوں کی پرورش پر ۵ ارب ڈالر خرچ کرتی ہے۔

۱۹۹۷ء میں یہ مسئلہ سنگین ہو گیا ہے، ۱۰ لاکھ کم عمر لڑکیوں نے ناجائز بچوں کو جنم دیا ہے۔ (خبریں ۲۱ جنوری ۱۹۹۷ء) امریکی صدر بل کلنٹن کا حالیہ جنسی اسکنڈلز بھی امریکی معاشرے کے بدنما چہرے پر فطرت کا تازیانہ عبرت ہے۔ امریکی بچوں کے نام کے ساتھ ماں کا نام استعمال کرتے ہیں کیونکہ اکثر کو اپنے باپ کا علم نہیں ہوتا۔ ایک فرانسیسی سکالر کا کہنا ہے کہ امریکیوں کو فرصت ملے تو اپنا باپ تلاش کرتے ہیں۔

ایمنسٹی کی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں قیدیوں کو ایک ساتھ زنجیروں میں باندھ کر اذیتیں دی جاتی ہیں۔ اس ایذا رسانی سے گذشتہ برس کئی اموات واقع ہوئیں۔

(نوائے وقت ۱۱ جولائی ۱۹۹۶ء) اسی ادارے کی ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ سمیت ۴۱ ممالک میں ۱۹ ہزار پھانسیاں ہوئیں۔ بیشتر ممالک میں تشدد کے غیر انسانی واقعات ہوئے۔ ہزاروں افراد بغیر مقدمہ چلائے مار دیئے گئے۔ (نوائے وقت ۱۹ جنوری ۱۹۹۶ء) گویا دنیا میں بڑھتے ہوئے جرائم مغربی کارپردازوں کی تہذیب کا منہ چڑا رہے ہیں۔

مشرق کا انحطاط:

مشرق میں آج بھی بے شمار لوگ اسلام کی تعلیمات سے نا آشنا ہیں اور صدیوں پر پھیلی ہوئی توہم پرستی اور اخلاقی بے راہروی کا شکار ہیں، چند مثالیں دیکھئے۔

☆ دوسری جنگ عظیم میں جاپانی فوج نے دو لاکھ خواتین کو ہوس کا نشانہ بنایا۔ زیادہ تر خواتین کا تعلق کوریا اور جنوبی ایشیا کے ممالک سے تھا (نوائے وقت ۷ فروری ۱۹۹۶ء)۔

☆ راجکوٹ بھارت میں ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج نے جام نگر کے ایک سفاک شخص کو عمر قید کی سزا سنائی کیونکہ اس نے اپنے دو کمسن بیٹوں کو دیوتا کے نام پر قربان کر دیا تھا۔ (نوائے وقت ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۶ء)

☆ بھارت میں ہر سال تین لاکھ لڑکیاں دیوداسی بنادی جاتی ہیں، سیاسی اور مذہبی راہنماؤں نے عیاشی کے لیے اس رسم کو غیر قانونی طور پر جاری رکھا ہوا ہے۔ خوبصورت دیوداسیوں کے تحفے دیئے جاتے ہیں۔ (خبریں ۲۱ جنوری ۱۹۹۷ء)

☆ خبریں ۲۶ جنوری ۱۹۹۷ء میں ایک تصویر شائع ہوئی جس میں ایک سنگدل باپ اپنی معصوم بیٹی کو دیوی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھانے کے لیے لارہا ہے۔ اخبار نے سرخی لگائی ہے کہ زمانہ جاہلیت کی یہ رسمیں کب تک جاری رہیں گے۔

☆ جس دیش میں گنگا بہتی ہے وہاں ستی کی وحشیانہ رسم لوٹ آئی۔ ایک سال میں ۱۰ عورتیں ہلاک ۱۹۹۰ء میں پچاس بیوہ عورتوں کو شوہروں کی چتا میں جلا ڈالا گیا۔ (نوائے وقت یکم دسمبر ۱۹۹۷ء) بھارت کے نیشنل کرائمز ریکارڈ سے معلوم ہوا ہے کہ اعداد و شمار کے مطابق گذشتہ برسوں سے ایسے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔

☆ بھارت میں نومولود بچیوں کا قتل، خواتین کی تعداد تیزی سے کم ہو رہی ہے۔ سو مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد پچاسی رہ گئی۔ یونیسف کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے معلوم کر کے بھی اسقاطِ حمل کے ذریعے بچی کو مار دیا جاتا ہے۔ غریب مائیں بچی کا گلہ گھونٹ دیتی ہیں (جنگ ۱۴ جنوری ۱۹۹۶ء)

☆ تبت میں باپ بیٹا ایک ہی عورت سے شادی کر لیتے ہیں۔ بھارت میں بعض علاقوں میں ایک عورت بیک وقت چار مردوں کی بیوی بن کر رہتی ہے۔ لداخ میں بڑا بھائی شادی کرتا چھوٹے خود ہی شوہر بن جاتے ہیں۔ میکے جانے والی عورت اپنے پرانے عاشقوں کی خواہشات بھی پوری کرتی ہے، ایک بھارتی جریدے نے مشہور ماہر سماجی امور پروفیسر ستیش کمار کی ایک تحقیقاتی رپورٹ میں اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایشیا، افریقہ، امریکہ، آسٹریلیا اور اوستیانا کے بعض علاقوں

میں عورت کے ایک سے زیادہ شوہروں کی رسم اب بھی برقرار ہے۔ ایشیا کے جن علاقوں میں رسم موجود ہے ان میں سری لنکا، بھارت اور نیپال سرفہرست ہیں۔ لداخ کے نوے فیصد گھرانوں میں اس رسم پر عمل ہوتا ہے، بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ویدک دور میں یہ رسم پورے شباب پر تھی، کیونکہ اتھروید میں لکھا ہے کہ ایک عورت ۱۰ شوہر بھی رکھ سکتی ہے (نوائے وقت ۲۴ جنوری ۱۹۹۶ء)۔

☆ بھارت کے حالیہ ایک الیکشن میں بی۔ جی۔ پی کے دو ارکان نے انتخابات جیتنے کے لیے نوجوان کو دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیا اور اس کا خون کھانے میں ملا کر تقسیم کیا، کانگریسی وزیر اور کارکنوں نے احتجاج کیا (نوائے وقت ۱۰ فروری ۱۹۹۷ء)۔

☆ بھارتی جاگیرداروں کے مسلح افراد نے بہار کے دارالحکومت کا نواحی علاقہ چھوتوں کا مقتل بنا دیا، شنجون میں ۵۷ دیہاتی محنت کش قتل کر دیئے گئے،

☆ برما کے پہاڑی قبیلے میں لڑکیوں کے گلے میں لوہے کے رنگ ڈالے جاتے ہیں۔ شروع میں پندرہ رنگ ڈالے جاتے ہیں بعد میں ہر سال اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ان کا مقصد بدروحوں کو بھگانا ہے۔ اخبار نے بچی کی تصویر بھی شائع کی ہے جس کی گردن لمبی ہوگئی اور رنگوں کے بوجھ سے اس کے چہرے پر کرب کے آثار ہیں (نوائے وقت ۲۲ جنوری ۱۹۹۶ء)۔ ان عبرتناک حالات کو پڑھیئے اور دیکھئے کہ کیا آج بھی انسان اپنے جاہلی معاشرے کی طرف لوٹ رہا! اور کیا آج بھی انسان کی مشکل کشائی کا راز اسلام میں مضمر نہیں۔ انشاءاللہ وہ دور دور نہیں کہ اسلام واللہ متم بنورہ کے وعدہ ربانی کے مطابق پھیل کر رہے گا، روس کا سوشلزم ظالمانہ طریقے سے نافذ کیا گیا تھا، پچاس سال نہ گزرے کہ اپنے مرکز میں اپنی موت مر گیا، آج وہاں عظیم الشان اسلامی ریاستیں معرض وجود میں آ گئی ہیں۔ جو ایٹمی طاقت کی حامل ہیں اور معاشی و مادی ترقی کے اعتبار سے مضبوط ہیں۔

ہندوستان کے 550 علاقوں میں سے 213 علاقوں میں علیحدگی پسند عناصر زور پکڑ رہے ہیں اور حالات بتاتے ہیں کہ عنقریب ہندوستان کے ٹکڑے کر دیں گے، امریکہ نے جو مسلم ممالک پر حملوں کا آغاز کیا ہے اور عراقیوں، سوڈانیوں کو مٹانا چاہتا ہے مگر اس کے اندر اسلام سیل رواں کی صورت بڑھ رہا ہے، اداکار غلام محی الدین نے اپنے حالیہ دورہ، امریکہ کے مشاہدات کا ذکر کیا اور کہا کہ وہاں اسلام تیزی سے بڑھ رہا ہے عنقریب اکثر امریکیوں کا مذہب ہوگا۔ (جنگ ۲۳ اگست ۱۹۹۸ء)۔

انٹرنیشنل ڈسک کی رپورٹ کے مطابق یورپ کے تعلیم یافتہ لوگ بھی اسلام کو بہت پسند کر رہے ہیں۔ نوجوان اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر عقل و شعور کی روشنی میں دین حق کو تسلیم کر رہے ہیں۔ ان کے والدین مسلمان ہونے کی خبر سن کر ششدر رہ جاتے ہیں۔ برطانیہ کے رنگارنگ ماحول میں اسلام کو سمجھنے اور اس کے پیغام کو آگے بڑھانے کے مواقع میسر ہیں۔ ''اخبار کیونیوز'' میں فقہی مسائل اور دیندار لڑکیوں کی طرف سے پابند صوم و صلوۃ لڑکوں سے شادی کے پیغامات بھی شائع ہوتے ہیں۔ (نوائے وقت ۱۹ جنوری ۱۹۹۶ء)۔ گویا حکیم مشرق کی پیش گوئی پوری ہو رہی ہے

؎ تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ:

دور جدید میں تمام مسلم ممالک یہود و نصاریٰ کی تہذیب و تمدن کے اثرات سے قطعی محفوظ نہیں، اکثر مسلمان احساس کمتری کا شکار نظر آتے ہیں اور ان کے لباس، زبان، انداز حیات کو زندگی کا اسٹیٹس سمجھتے ہیں۔ اخبارات اور میڈیاز کے ذریعے ان کے کلچر کا فروغ ہو رہا ہے۔ طلبا کا نصاب تعلیم ان کے اصولوں پر قائم ہے، ہمارے کالجوں اور

یونیورسٹیوں کا ماحول لندن اور پیرس کا عکاس ہے، اساتذہ کو نظریہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں وہ انگریز سے بھی زیادہ انگریزی تہذیب کے وفادار ہیں۔ نوجوان نسل آوارہ ہو رہی ہے۔ دوسری طرف ہندی کلچر کی عریانیت اس قدر پھیل گئی ہے کہ اصلاحی کوششیں بیکار نظر آتی ہیں، پچھلے دنوں سونیا گاندھی کا بیان اہل اسلام کے لیے طمانچہ تھا کہ پاکستان جیسے ملکوں پر فوج کشی کی کیا ضرورت ان کے دل و دماغ کو تو ہمارا کلچر ہی تسخیر کر رہا ہے، ترکی میں مسلمان کہلوانے والے اسلامی تہذیب کو ختم کر رہے ہیں، عرب ممالک میں امریکہ کا بے پناہ اثر و رسوخ برطانوی سامراج کے راستے پر چل رہا ہے۔ تاہم اس کے خلاف نفرت کی ایک شدید لہر بھی اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس لہر کو اور تیز کیا جائے اور مسلمانوں پر پڑنے والے منحوس سائے کافور کیے جائیں، یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ آج مسلمان آزاد ہو کر بھی فکری و ذہنی طور پر غلام ہیں جب کہ اسلام ان کے لیے دیار غیر میں بھی کامیابی کے راستے کھول رہا ہے، مسلمانوں کو باہمی اختلافات مٹا کر اسلام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے میدان عمل میں کود جانا چاہیے اور اپنی نسلوں کو گمراہی و بے حیائی کے عفریتوں سے بچانا چاہیے، آخر ہم کیوں ان شیطانی طریقوں کو ترجیح دے رہے ہیں جن کو چھوڑ کر اہل مغرب نے اسلام کا راستہ اپنایا ہے آخر ہمیں اس بات کا احساس کیوں نہیں۔

؎ خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

آیئے اسلام کے احسانات کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اسلام نے جس طرح قرون ماضیہ کی تقریباً چار ہزار سالہ تہذیب کو چیلنج کیا تھا اور اقوام عالم پر اس تہذیب کے صدیوں پر مشتمل اثرات زائل کیے تھے۔ آج اس ڈیڑھ سو سالہ مغربی تہذیب کو چیلنج کر رہا ہے۔

****

اسلام کے تاریخ ساز زمانے

اسلام نے دنیا کو کیا دیا اس سمندر کو چند صفحات کے کوزے میں بند کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ لیکن اس کی چند لہروں کی جولانیاں دکھانے کیلئے اور اس کی کچھ کرنوں کی جھلکیاں بتانے کیلئے ایک ناتمام سی کوشش کی گئی ہے۔ جو مختصر تحقیق و تبصرہ کی صورت میں پیشِ خدمت ہے۔ ہم نے تاریخ اسلامی کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ عہد نبوت

۲۔ عہد خلافت

۳۔ عہد ملوکیت

عہد نبوت:

اسلام کا سب سے عظیم و حسین، سب سے بلند و بالا اور تاریخ ساز زمانہ ”عہد نبوت“ ہے جس کے بارے میں قرآن پاک نے بھی قسم اٹھائی ہے، ”والعصر“ زمانہ محبوب

کی قسم۔ اور زبانِ نبوت ب نے بھی گواہی دی ہے کہ مجھے سب سے بہترین زمانے میں پیدا کیا گیا ہے۔۔ چونکہ حضور فخر آدم و بنی آدم ﷺ نسلِ انسانی کے سردار ہیں تو آپ سے منسوب ہر چیز پوری کائنات ارضی وسماوی میں منفرد ہوگی۔ وہ فسق وفجور، شرک وکفر، جہالت وضلالت سے لبریز دنیا حضور محسن انسانیت کے فیضانِ کرم سے مذہبی، معاشرتی، معاشی، سماجی، سیاسی اصولوں سے آشنا ہوگئی۔ آپ نے ہجرت مدینہ کے بعد کفرستانِ عرب میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی جو پھیل کر مکہ، نجران، یمن، حضر موت، عمان، بنوکندہ اور بحرین کے وسیع وعریض صوبوں پر چھا گئی۔ اس اسلامی ریاست کے سربراہ، حاکم مطلق کے نائب مطلق حضور ﷺ کی ذات ستودہ صفات میں جلوہ گر تھے۔ آپ نے جس اسلامی ریاست وحکومت کی طرح ڈالی اسکی خصوصیات یہ ہیں۔

☐ حاکمیت واقتدار اعلیٰ صرف خدائے واحد جل شانہ کے دست قدرت میں ہے۔ سب پر اس کا حکم ماننا فرض ہے۔

☐ رسول اللہ ﷺ کی ذات وصفات اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی مظہر اتم ہیں، ان کی اطاعت ومحبت، رضا ووفا، حکم واقتدار درحقیقت اس کی طرف سے ہے۔ جو ان کی اطاعت کرتا ہے وہ اس کی اطاعت کرتا ہے، جو ان سے محبت کرتا ہے وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ اور کوئی شخص اس وقت تک دائرہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہوسکتا جب تک اپنے باہمی تنازعات ومعاملات میں ان کی حاکمیت تسلیم نہیں کرتا۔

☐ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ کسی کے محتاج نہیں۔ پھر بھی انہوں نے اسلامی ریاست کے عوام وخواص کو شوریٰ کا حق عطا کیا ہے۔ چنانچہ عہد نبوت میں بہت سے جہادی، مذہبی، معاشرتی امور میں صحابہ کرام کی مجلس مشاورت طلب کی جاتی اور ان کی رائے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ہماری نظر میں مشاورت کی شکل میں اسلام نے جو جمہوریت کا

تصور پیش کیا ہے۔ مغربی جمہوریت کا آزاد تصور اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، کیونکہ اسلام میں جہاں جمہور بھٹکنے لگتے ہیں وہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا سہارا ان کو تھام لیتا ہے۔ مغربی جمہوریت میں ایسا کوئی سہارا نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کے نقائص و معائب سے بہت سی اقوام متاثر ہو کر اپنی کشتی ڈبو بیٹھی ہیں۔

☐ عہدِ نبوی میں معاشرہ، عدل و مساوات، اخوت و یگانگت، خلوص وللّٰہیت، فکری و ملی طہارت جیسی خوبیوں سے مزین تھا۔ رسول اللہ کی صحبت بابرکت نے انسانی طبائع و ضمائر میں ایسا آفاقی انقلاب برپا کیا تھا کہ اور کہیں اس کی مثال محال نظر آتی ہے۔

☐ بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ اسلامی ریاست کی ترجیحات میں شامل رہا ہے، عہد نبوی میں اس پر جتنا زور دیا گیا تھا وہ دیدنی ہے سب برابر تھے، گوروں کو کالوں پر، عربیوں کو عجمیوں پر کوئی برتری نہیں تھی، سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناطے یکساں تھے، ہاں وہ افضل سمجھا جاتا تھا جو زیادہ پرہیزگار ہوتا تھا، عزت و آبرو، جان و مال کی حرمت قائم تھی۔ اس سلسلے میں حجۃ الوداع کا عظیم چارٹر پوری کائنات کی رہنمائی کر رہا ہے۔ غلاموں، بیواؤں، یتیموں کا احترام سب پر فرض تھا، غیر مسلموں کے حقوق کا بھی پورا خیال تھا۔

☐ حدود قائم تھیں، مجرم کو چھوڑنا جرم کو فروغ دینے کے مترادف سمجھا جاتا تھا، مظلوم کی دادرسی ہوتی تھی۔ ظالم کی بیخ کنی کی جاتی تھی۔ احتساب عام تھا۔

☐ مالِ غنیمت، زکوٰۃ، عشر، صدقات، جزیہ، خراج اور فئے کی آمدنی سے غریبوں، مسافروں، یتیموں، بیوؤں کی مدد و کفالت کی جاتی تھی۔

☐ مختلف صوبوں میں والی، عامل اور قاضی مقرر تھے جو عوام کی ضروریات کا خیال رکھتے اور خود کو ان کے سامنے جوابدہ تصور کرتے تھے۔

☐ مضبوط عسکری نظام قائم تھا جس میں اسلامی ریاست کے دفاع کی پوری

صلاحیت موجود تھی، وہ جذبوں اور ولولوں سے مالا مال لوگ جس میدان میں اترتے نصرتِ خداوندی ان کا شاندار استقبال کرتی۔ حضور اشجع الناس ﷺ عساکرِ اسلام کے سپہ سالار اعظم تھے۔ آپ کے حکم سے بعض صحابہ کرام کو بعض مہمات کی رہنمائی کا فریضہ سونپا گیا اور وہ سرخرو ہوئے، اسلام کے تصورِ جہاد میں ظلم وتعدی کا کوئی وجود نہیں۔ ایسی بے مثال اور لازوال داستانیں دامنِ اسلام سے وابستہ ہیں جن میں اپنے جانی دشمنوں کو بھی معاف کیا گیا ہے، عورتوں، بوڑھوں، بچوں، جانوروں، درختوں، فصلوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا جاتا تھا چہ جائیکہ ان کو ملیا میٹ کیا جائے۔ میدان جہاد میں جذبہ ایثار ومحبت کی انمول مثالیں تاریخ اسلام کا تابدار خزانہ ہیں۔ عہد نبوت تو ان مثالوں اور داستانوں کا سبق دینے والا ہے۔ اسمیں لوگ کس طرح ایک دوسرے پر جان ومال وارتے ہوں گے۔

☐ حضور تاجدار کونین ﷺ کا مشن کسی ایک شعبہ حیات کو مکمل کرنا نہیں تھا بلکہ آپ تو تمام شعبوں کو چار چاند لگانے آئے تھے، آپ نے زندگی کے ہر میدان میں انقلابی اور اصلاحی تبدیلیاں کیں کہ تہذیب وتمدن سے عاری قوم کو اقوام عالم کا امام بنا دیا۔ آپ نے عرب معاشرے میں مختلف اصلاحات نافذ فرمائیں۔

۱۔ عرب شرک وکفر میں ڈوبا ہوا تھا، لوگ بت پرستی، مظاہر پرستی اور اوہام پرستی میں مبتلا تھے حضور مصلحِ اعظم ﷺ نے اس کی مذہبی اصلاح فرمائی، کہ کفر وشرک کو ہمیشہ کیلئے جزیرہ نمائے عرب سے نکال دیا، خدا سے بیگانہ لوگ خدا آشنا بن گئے۔

۲۔ عرب خانہ جنگی کا شکار تھے، طالف الملوکی کے گرویدہ تھے، قبائلی کشمکش میں صدیوں کی فطرت مسخ ہو چکی تھی، حضور پیغمبر امن وآشتی ﷺ نے خون کے پیاسوں کو شیر وشکر کر دیا۔ لامرکزیت کو اپنی ذات پر جمع فرمایا۔ الجھے ہوئے راستوں کو ایک منزل عطا کی۔ سب شعوب وقبائل مدینہ منورہ کی دولتِ مشترکہ کے پرچم وحدت کے نیچے کیا یکجا ہوئے کہ

قیصر و کسریٰ کا غرور خاک میں ملا دیا۔

۳۔ عرب معاشرہ چوری چکاری، ڈاکہ زنی، شراب نوشی، قمار بازی، تفاخر نسلی کا رسیا تھا ان لوگوں میں ہر برائی موجود تھی، حضور ﷺ کی اصلاحی تحریک اور اسلامی تہذیب نے انکو صدق و صفا، صبر و رضا، حلم و حیا، جود و سخا، حسن و وفا، کا علمبردار بنا دیا۔

۴۔ عرب کی اقتصادی حالت بہت قابل رحم تھی۔ جو امیر تھے، وہ از حد امیر تھے، اور جو غریب تھے وہ از حد غریب تھے۔ سود کی بیماری نے پورے عرب کو ادھ موا کر رکھا تھا۔ حضور نے سود کی جگہ زکوٰۃ و صدقات کو فروغ دیا۔ لوگوں میں جذبہ ہمدردی کو ابھارا، لوگ ایک دوسرے کے کام آنے لگے۔ اسلام کے قانون وراثت نے ایک انقلاب برپا کر دیا جس سے نسلوں کی زندگی سنور گئی، رزقِ حلال کی برکات پورے جوبن پر تھیں۔ مسلمانوں کی سماجی بہبود کیلئے دولت کو گردش میں رکھنے کی ترغیب دی گئی۔ لوگ مال کے ذخیرے پر مال کے صرف کرنے کو ترجیح دینے لگے۔ بیت المال قائم کئے گئے۔ آپ نے سرمایہ داری پر کاری ضرب لگائی اور اہل عرب نہایت تھوڑے عرصے میں نہایت خوشحال ہو گئے، حضور ﷺ نے اقتصادی تفریق کو ختم کر دیا۔ یہ دنیا میں بہت بڑی معاشی اصلاح تھی جس کا نظارہ پہلے دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔

۵۔ حضور محسنِ کائنات ﷺ نے عورت کو حقوق عطا فرمائے۔ ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کو عظمتیں تقسیم کیں۔ سارے عہد نبوت پر جناب عبداللہ ملک کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے:

"محسنِ انسانیت رسول اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین بن کر آئے تھے۔ آپ نہ صرف ایک بہت بڑے ریفارمر تھے بلکہ ایک عظیم ترین معمار قوم بھی تھے۔ آپ کی نافذ کردہ سیاسی، مذہبی، اخلاقی، معاشی، سماجی اصلاحات کا منشا و مقصد یہ تھا کہ معاشرہ ہر امتیاز سے مربوط، مستحکم اور ہر قسم کی برائیوں سے یکسر پاک اور خوشحال ہو۔ تاکہ انسان کی ذہنی اور باطنی قوتوں

کو ایک پاکیزہ اور پرسکون فضا میں نشو ونما کا موقع ملے اور اسطرح تہذیب وتمدن کی تعمیر مستحکم بنیادوں پر استوار ہو اور ایک ایسا معاشرتی ماحول قائم ہو جائے جسمیں انفرادی مفاد پر اجتماعی مفادات کو ترجیح دی جائے۔

اس پاکیزہ نظام کے تحفظ کیلئے آنحضورﷺ نے افراد کی باطنی اصلاح بھی فرمائی تا کہ وہ اس قابل ہو جائیں کہ اس نظام معاشرت کے قوانین اور اصول وضوابط کی پیروی بخوشی کریں۔ اس ضمن میں رسول کریمﷺ نے نہ صرف دلوں میں اسلامی تعلیمات کے ذریعہ ایمانی روح پھونکی بلکہ مناسب انسدادی تدابیر بھی اختیار فرمائیں۔ اور ساتھ ساتھ اخلاقی جرائم کے انسداد کیلئے تعزیری تدابیر بھی اختیار کیں۔ اور ہر جرم کی نوعیت کے مطابق سخت اور عبرتناک سزائیں تجویز فرمائیں۔ آنحضورﷺ کی نافذ کردہ اصلاحات کا فیضان تھا کہ سرزمین عرب ۔۔۔ تھوڑی ہی مدت میں محسن انسانیت محمد رسولﷺ کے طفیل تہذیب وتمدن صلح وآشتی اور امن وراحت کا قابلِ رشک گہوارہ بن گئی۔ (تاریخ اسلام ص ۲۶۴)

عہد خلافت:

حضور سرور دو عالمﷺ کے ظاہری عہد نبوت کے بعد آپ کے خلفا کرام حضور سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی، سیدنا علی المرتضٰے اور سیدنا حسن مجتبٰے کا لاثانی عہد خلافت شروع ہوا جسے تاریخ اسلام میں ''خلافتِ راشدہ'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ خلافت کا معنی ہے جانشینی، قائم مقامی گویا نبوت اصل ہے تو خلافت اسکا سایہ ہے۔ نبوت آئینہ ہے تو خلافت اسکا عکس جمیل۔ حضورﷺ نے فرمایا۔

''تم سے پہلے بنی اسرائیل میں انبیاء کرام سیاست فرماتے تھے، ایک رخصت ہوتا تو دوسرا اسکی جگہ لے لیتا، لیکن اب نبوت مجھ پر ختم ہوگئی ہے۔ تم میں خلفا ہوا کریں

گے۔ (بخاری و مسلم)

اور جو خلافت منہاج نبوت پر گامزن ہو، اس کو خلافت راشدہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس عہد کے حکمرانوں کو خلیفہ راشد کا لقب دیا گیا ہے۔ اسلام میں نبوت کے بعد خلافت راشدہ کا مقام و مرتبہ ہے۔ اسی لئے جن امور میں وحی و رسالت کا حتمی فیصلہ موجود نہ ہو وہاں خلافت راشدہ کا فیصلہ واجب الاطاعت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا علیکم بسنتی و سنة الخلفا الراشدین، تم پر میری اور خلفائے راشدین کی سنت فرض ہے۔ جب ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین ہی حضور کے درست جانشین اور صحیح نائب ہیں۔ انہوں نے اپنی اپنی شان کے مطابق نیابت مصطفوی کا حق ادا کر دیا۔ یہ تمام صحابہ کرام کے سردار، بے شمار فضائل اور لاتعداد مناقب کے سزاوار ہیں۔ خدا تعالیٰ اور رسول اعلیٰ ﷺ کی رضا و خوشنودی کے شہکار ہیں۔ یہ سب علم و فضل، زہد و تقویٰ، عدل و انصاف، امانت و دیانت، عفو و درگزر، خوف خدا، فہم و ذکا بلکہ ہر گوشہ سیرت میں حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کے مظہر کامل ہیں۔ ان سب کو دیکھ کر تاجدار نبوت، شہریار رسالت ﷺ کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ ان سب کا دور اسلام کے تاریخ ساز زمانوں میں اہم مقام پر فائز ہے، ذیل میں ہم عہد خلافت کو ان موضوعات کے تحت بیان کرتے ہیں۔

عہد صداقت:

کلیم طور نبوت، یار غار رسالت، تاجدار صداقت سیدنا صدیق اکبرؓ کا عہد صداقت گونا گوں مشکلات میں گھرا ہوا تھا، فتنہ ارتداد اٹھا، مدعیان نبوت ابھرنے، اسلامی ریاست کی سرحدوں پر خطرات منڈلانے لگے۔ منکران زکوٰۃ نے شور مچایا، قبائل میں بغاوت کی لہر نے جنم لیا، غرض ان مسائل و آلام میں خلیفہ بلافصل نے کمال جرات و بسالت

سے کام لیا اور دو سال کے قلیل عرصے میں نہ صرف ان پر قابو پایا بلکہ فتوحات اسلامی کا دروازہ بھی کھول دیا۔ آپ کے عہد ولولہ انگیز میں جنگ مذار، جنگ دلجہ، جنگ حیرہ، جنگ عین التمر، جنگ دومتہ الجندل اور جنگ فراض میں ایرانیوں نے عبرتناک شکست کا سامنا کیا اور بالآخر فاروق اعظم کے عہد میں ایک ہی زوردار جھٹکے سے زمین بوس ہو گئے۔ آپ کا دور صداقت، حفاظتِ دین، نظم و نسق، اقتصادی انتظامات، عسکری نظام اور احتساب کے حوالے سے بہت اہم اور موثر ہے۔ آپ کے علم و فضل، سادگی و منکسر المزاجی، رعب و داب، شجاعت و مردانگی اور امت مرحومہ سے ہمدردی کی صفات کا پوری اسلامی ریاست پر سایہ تھا۔ آپ سب کیلئے رسول اللہ ﷺ کا چھوڑا ہوا چراغ راہ تھے۔

عہد عدالت:

مراد رسول، دامادِ بتول سیدنا فاروق اعظمؓ کا عہد عدالت اسلامی تاریخ کا روشن باب ہے۔ دراصل اسکا سبب عہد صدیقی کا وہ بے پایاں فیض ہے، جو ریاست کے گوشے گوشے میں پھیلا ہوا تھا، حضرت صدیقؓ نے تمام مسائل و آلام کو ختم کر کے حضرت فاروق کیلئے پرسکون فضا مہیا کی جس کی بدولت آپ نے دعوت و اشاعت اسلام کا طویل سلسلہ شروع فرمایا۔ آپ کے عہد عدالت کے نامور سپہ سالاروں نے ایران و روم کو نیست و نابود کر دیا۔ عراق میں جنگِ نمارق، جنگ جسر، جنگ بویب، جنگ قادسیہ معرکہ انداز ہوئی اور اہل اسلام نے مدائن پر قبضہ کر کے بے شمار مال و دولت حاصل کی جسے مسلمانوں کی رفاع عامہ کیلئے استعمال کیا گیا۔ ایران میں معرکہ جلولہ، جنگ تکریت، تسخیر خوزستان و نہاوند کے بعد حکومت ساسانی کا تاریخی دور اپنی موت مر گیا، اہل اسلام ہر مقام پر فلاح یاب ہوئے، شام میں، دمشق کو زیر کیا گیا، اردن کو روندا گیا، حمص شہر قیصر فتح ہوا۔ اور امینِ امت حضرت ابو عبیدہؓ نے جنگ یرموک میں تاریخی کامیابی حاصل کر کے سلطنتِ روما کو خلافت

اسلامی کی جھولی میں ڈال دیا، بلاد شام فتح ہوئے تو بیت المقدس کی راہ ہموار ہوئی، مصر میں عمرو بن العاص نے کارنامے سرانجام دیئے، آپ کی حیرت انگیز فتوحات کو دیکھ کر برملا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ آپ سے پہلے بھی بہت سے کشور کشا گزرے ہیں مگر جو جذبہ و ولولہ آپ کی قیادت میں ودیعت تھا وہ آپ کی ہی خصوصیت ہے۔ فتوحات کے ساتھ عدل وانصاف، اخلاق واقدار کا فروغ کسی اور فاتح کو نصیب نہیں ہوا۔ آپ کے عہد میں چین سے لیکر طرابلس تک کے علاقوں پر اسلامی پرچم کا لہرایا جانا یقیناً نبی آخر واعظم ﷺ کے عالمگیر معجزات میں سے ایک معجزے کا ظہور ہے۔ آپ کے بے سروسامان مجاہدوں نے بڑی منظم حکومتوں کو تہ وبالا کر دیا۔ اور پھر اتنی وسیع وعریض ریاست پر آپ کے حسن تدبر کی مضبوط گرفت، آپ کے بے مثال حکمران ہونے کی گواہی دیتی ہے۔

فتوحات کے علاوہ آپ نے بہت سے کارنامے سرانجام دیئے۔ مثلاً مشاورت کو فروغ دیا۔ مرکز کو مضبوط بنایا۔ صوبوں کو مستحکم کیا۔ والیوں، عاملوں اور قاضیوں کا احتساب کیا۔ بیت المال، کاتب الدیوان، اضلاعی نظم ونسق، حکام کے فرائض وحقوق پر خصوصی توجہ دی۔ محکمہ پولیس، محکمہ مالگزاری، محکمہ آبپاشی قائم کئے۔ نہریں کھودیں، حکومت کے ذرائع آمدنی کو یقینی بنایا، فوج کو مختلف یونٹوں میں تقسیم کیا کہ اس کی کارکردگی میں اضافہ ہو، نئے شہر آباد کئے، چھاونیاں تعمیر کیں۔ سن ہجری کا اجرا کیا۔ فتوحات کے علاقوں میں قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کیلئے قرا وحفاظ کی خدمات حاصل کیں۔ شاہراہیں بنائیں اور ان پر چوکیاں قائم کیں۔ ذمیوں کے ساتھ خصوصی سلوک آپ کی خلافت کا زریں باب ہے آپ نے اس کی وصیت اپنے جانشینوں کو بھی کی۔ آپ کی اس رواداری سے ہزاروں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

خلیفہ دوم علم وفضل، عشق خدا و مصطفیٰ، رعب وجلال، سادگی وقناعت، رحم وعفو،

غیرت اسلامی، شجاعت، عدل وانصاف، رعایا پروری کے خصائل واوصاف سے مزین تھے، اس کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ آپ کا دور، خلافت راشدہ میں بھی مثالی اہمیت کا حامل ہے اوراس کے اثرات نہایت قابل قدر اور دوررس ثابت ہوئے، یہ دور ۱۳ ہجری تا ۲۳ ہجری کے عرصے پر محیط ہے۔

عہد سخاوت:

پیکر شرم وحیا، مجسمہ صبر ورضا حضرت سیدنا عثمان غنیؓ، حضرت فاروق اعظمؓ کے بعد مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے آپ کی خلافت کی طرف حدیث نبوی میں واضح اشارہ پایا جاتا ہے، حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا "شاید خدا تعالیٰ تجھے ایک قمیض پہنائے۔ پھر اگر لوگ تجھ سے کہیں کہ اس کو اتار دو تو اس کو نہ اتارنا (یعنی خلافت نہ چھوڑنا) (مشکوٰۃ مترجم جلد ۳)

یہ حقیقت ہے کہ اسلامی فتوحات کے علاقوں میں بہت سے انتشار پرور عناصر اندر ہی اندر پروان چڑھ رہے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے رعب وجلال کی وجہ سے انہیں ظاہر ہونے کی ہمت وجرات نہ ہوئی لیکن حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں اٹھ کھڑے ہوئے، مختلف صوبوں میں بغاوتیں ہوئیں مثلاً اسکندریہ، آذربائیجان اور آرمینہ کی بغاوتیں منظر عام پر آئیں اور آپ نے نہایت مستعدی اور بہادری سے ان کو ختم کر دیا اور متعلقہ علاقوں میں امن وامان قائم کیا۔ اسی طرح مشرقی علاقوں میں ہونے والی بغاوت کو کچل دیا۔ بغاوتوں پر قابو پانے کے بعد آپ نے فتوحاتِ فاروقی کو جاری وساری کیا۔ طرابلس فتح کیا، ٹیونس، مراکش اور الجزائر کو زیرنگیں کیا، شمالی افریقہ پر قبضہ کرنے سے بحیرہ روم کا دروازہ کھل گیا چنانچہ ساحلِ شام کے قریبی جزیرہ قبرص پر بھی اسلامی حکومت قائم ہوگئی، ادھر وسطِ اشیاء کے علاقے کرمان، بجستان اور غزنی وکابل کے علاقے حاصل کئے۔ آپ کے ایک جرنیل عبد

الرحمٰن بن سمرہ نے موجودہ بلوچستان کے مغربی حصے تک ترک وتاز کی۔ اس طرح آپ کی خلافت کی سرحدیں برصغیر پاک وہند تک پہنچ گئیں، ایرانی حکمران یزدگرد آپ کے عہد میں ایک دہقانی کے ہاتھوں مارا گیا، اس کی موت کے ساتھ ہی ساسانی خاندان کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں اور اسلام کے راستے کا ایک بڑا پتھر گویا ٹوٹ کر بکھر گیا۔ آپ کے عہد میں امیر شام حضرت معاویہؓ نے بحری بیڑہ تشکیل دیا جو شام، قبرص اور مصر کے ساحلوں کا تحفظ کرتا تھا۔ اسی طرح والیٔ مصر عبدالرحمٰن بن ابی نے بھی بحری بیڑہ بنایا جو سکندریہ کی حفاظت کرتا تھا۔ قرآن پاک پر پوری امت محمدیہ کو جمع کرنا اور قرآن پاک کو ہزاروں، میلوں پر پھیلی ہوئی اسلامی سلطنت میں عام کرنا آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔ آپ نے حضرت صدیق وفاروقؓ کے نقشِ قدم کو اپنایا۔ البتہ بعض انتظامی ضروریات وحالات کے مطابق تبدیلیاں بھی کیں، جہاں ترقی کی گنجائش تھی وہاں خصوصی توجہ دے کر ترقی حاصل کی۔ مثلاً عہد فاروقی میں مصر کا خراج بیس ہزار دینار تھا، آپ کے عہد میں اسکی تعداد چالیس لاکھ دینار تک پہنچ گئی۔ آپ نے ملکی وخارجی امور کے لئے ہمیشہ اکابر صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ آپ طبعاً نرم مزاج تھے، تاہم جہاں نظام میں خلل دیکھتے اس کے تدارک کیلئے فوری اقدام کرتے تھے۔ آپ کے عہد میں ہر فرد کو حکومت پر تنقید کرنے کا پورا حق تھا۔ نظام خلافت کے حوالے سے آپ کا عظیم کارنامہ ہے کہ آپ نے عمال وحکام کی مجلس شوریٰ تشکیل دی جس پر آج کی بھی تمام مہذب حکومتیں عمل پیرا ہیں۔ آپ نے لوگوں کے وظائف میں اضافہ کیا۔

آپ نے ۲۴ ہجری تا ۳۵ ہجری خلافت کے فرائض سرانجام دیئے، بالآخر آپ کو شہید کردیا گیا اس کے اسباب کیا تھے یہ بحث طلب امر ہے تاہم یہ حقیقت ہے کہ اسلام کو ایک نرم دل، شفیق وخلیق، دریا صفت، صابر متحمل مزاج، عالم وعامل، خدا کے خوف اور رسول

کی محبت میں گریہ زن، صاحبِ شرم وحیا حکمران کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔

عہد شجاعت:

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کی غمناک شہادت کے بعد حالات کی بھاگ ڈور سنبھالنے کیلئے قدرت نے حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خداؓ کا انتخاب کیا۔ آپ کا عہد خلافت مشکلات سے گھرا ہوا تھا۔ خونِ عثمان غنی کا قصاص اہم مسئلہ تھا، حالات دگرگوں ہوئے۔ جنگ جمل اور جنگ صیفین جیسی افسوسناک جنگیں ہوئیں۔ اہل شام کے علاوہ تمام صوبوں نے آپ کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔ اور آپ کی اطاعت کی یقین دہانی کرائی۔ بعد میں مصر پر اہل شام کا قبضہ ہوگیا، مسلمانوں کی باہمی آویزش کی وجہ سے کرمان وفارس کے صوبے باغی ہو گئے، بہت سے علاقوں میں خانہ جنگی نے جنم لیا۔ ڈاکٹر حمید الدین لکھتے ہیں کہ اس مسلسل خانہ جنگی، خونریزی اور بدامنی سے گھبرا کر حضرت علی اور امیر معاویہ نے ۴۰ ہجری میں مصالحت کرلی۔ اس مصالحت کی رو سے حجاز، عراق اور مشرقی مقبوضات حضرت علی کے پاس رہے اور شام مصر اور مغربی مقبوضات امیر معاویہ کے حصے میں آئے۔ اس طرح خلافت دو حصوں میں بٹ گئی اور اسلامی یکجہتی کا محض سیاسی خاتمہ نہ ہوا بلکہ اسلامی اخوت و مساوات کو بھی جسکا مقصد وحید نسلی و معاشرتی تعصّبات کو مٹانا تھا ضرب کاری لگی اور اس کے ساتھ ہی اسلام کے جمہوری نظام کو بھی سخت صدمہ پہنچا۔ (تاریخ اسلام ص ۲۰۵)

حضرت علی المرتضیٰؓ کو دیگر مسائل ومشکلات کے ساتھ ساتھ عراقیوں کی ازلی بے وفائی کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ وہ لوگ اپنی تلون مزاجی کی بدولت ہمیشہ آپ کے فیصلوں کی مخالفت کرتے رہے۔ مثلاً آپ نے مصر کی بازیافت کیلئے مہم روانہ کرنا چاہی تو عراقی آڑے آئے، خارجی فرقہ اپنی جگہ اہمیت اختیار کرتا جارہا تھا جسے جنگ نہروان میں ذوالفقار

حیدری نے کاٹ کر رکھ دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ آغوش رسالت میں پل کر جوان ہوئے تھے، نہایت با اصلاحیت خلیفہ اور استقامت کا کوہِ گراں تھے، زہد و تقویٰ آپ کا شعار تھا، علم و فضل آپ کا پانی بھرتے تھے، حکمت آپ پر نازاں تھی، شجاعت و شہامت میں ضرب المثل تھے، صبر آپ کا امتیاز تھا، حوصلے کے خوگر تھے، امانت و دیانت میں بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ نے ملت اسلامیہ کی بقاو سلامتی کیلئے دن رات محنت کی۔ اور علاقہ خلافت میں عدل و انصاف، امن و امان اور نظم و ضبط قائم کرنے کیلئے بے مثال محنت کی۔ سادگی کی زندگی بسر کی، آپ کو دنیا سے شدید نفرت تھی۔ خود فقر و فاقہ میں رہ کر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کیلئے کوشاں رہے، آپ بے مثال مبلغ تھے، آپ کے خطبات علم و حکمت کے خزانوں سے بھرے ہوئے ہیں، آپ نے اپنے سابق خلفاء کرام کی زندگی کو نمونہ حیات بنایا، اور اکثر حضرات صدیق و فاروقؓ کی مثالیں دیں، آپ کا دور ۳۵ ہجری تا ۴۰ ہجری پر مشتمل ہے، علمائے اسلام کا فیصلہ ہے کہ آپ کی خلافت حق پر مبنی تھی، آپ کے مقابلے میں حضرت امیر معاویہ یا دیگر صحابہ کرام سے اجتہادی خطا سرزد ہوئی۔ ان لوگوں کا اختلاف تکوینی امور کے تحت تھا، اس لئے کسی پر بھی تنقید کرنا کسی کو سب و شتم کا نشانہ بنانا، کسی مسلمان کیلئے امر جائز نہیں، ان تمام کے ساتھ مغفرت خداوندی کا وعدہ ہے۔

عہد مروت:

حضرت علی المرتضیٰؓ ایک خارجی ابن ملجم کے ہاتھوں شہید ہوئے تو مسلمانوں نے جگر گوشۂ رسول حضرت سیدنا حسن مجتبیٰ کو مسند خلافت پر فائز کر دیا۔ آپ ۴۰ تا ۴۱ ہجری کے قلیل عرصے کیلئے خلیفہ رہے، آپ خلیفہ ہوئے تو شامی لشکروں نے عراق پر حملے کی تیاری شروع کر دی، آپ نے ان کے مقابلے کیلئے قیس بن سعد کو لشکر دے کر بھیجا۔ لیکن آپ یہ بھی

دیکھ رہے تھے کہ مسلمان مسلسل باہمی آویزشوں سے بہت زخمی ہو چکے تھے، ان کو اتفاق و اتحاد کی اشد ضرورت ہے۔ آپ نہایت صلح جو تھے، نہایت امن پسند تھے، آپ کی سیرت طیبہ کے اس گوشے کی طرف حدیث نبوی میں واضح اشارہ ملتا ہے، دوسری طرف عراقی جان لیوا بے وفائی پر تلے ہوئے تھے۔ مثلاً جب قیس بن سعد کا لشکر روانہ ہوا تو آپ بھی اس کے پیچھے عازم سفر ہوئے جب مدائن پہنچے تو یہ افواہ سنی کہ قیس کے لشکر کو شکست ہوئی ہے اور وہ خود شہید ہو گئے ہیں۔ اس افواہ سے تمام ساتھیوں میں افراتفری پھیل گئی، اور انہوں نے بغیر سوچے سمجھے ایک دوسرے کو لوٹنا شروع کر دیا۔ جہاں تک کہ امام حسن کے خیمے پر بھی چڑھائی کر دی، ایک شخص نے آپ کا قالین جس پر تشریف فرما تھے، آپ سے چھین لیا، اہل عراق و کوفہ کے اس وحشیانہ سلوک سے آپ نے دل برداشتہ ہو کر لشکر کو منتشر کر دیا اور خود مدائن کے قصرِ مکسورہ میں پناہ گزیں ہو گئے، آپ کے لشکر کے بڑے بڑے سردار انعام و اکرام کے لالچ میں آپ کا ساتھ چھوڑنے پر تیار تھے۔ ان حالات میں آپ نے ارشاد رسالت پناہ ﷺ کے عین مطابق تاریخ ساز فیصلہ فرمایا جو تاریخ اسلامی میں جذبہ ایثار و مروت کا انوکھا باب ہے۔ آپ حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے اور مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے۔ آپ نے کچھ شرائط امیر معاویہ کے سامنے رکھیں۔

۱۔ تمام لوگوں کو امان دی جائے۔ کسی عراقی کو محض دیرانیہ عداوت کی بنا پر نہ پکڑا جائے۔

۲۔ دارالجیرو کا خراج امام حسن کو دیا جائے اور ان کے برادر اصغر امام حسینؓ کو بیس ہزار درہم سالانہ وظیفہ دیا جائے۔

۳۔ وظائف میں بنو ہاشم کو فوقیت دی جائے۔

ان شرائط کو امیر معاویہ نے قبول کر لیا۔ ان شرائط پر ہونے والی مصالحت نے

ملتِ اسلامیہ کو بہت بڑی خانہ جنگی سے بچالیا۔ امن وسکون کے راستے کھلے، ملک کی ترقی واصلاح کی طرف توجہ ہوئی۔ مسلمان اکھٹے ہو گئے اس لیے اس سال کو ''عام الجماعۃ'' یعنی جماعت کا سال کہا گیا ہے۔

آپ نے ۵۰ء میں شہادت پائی۔ بعض لوگوں کا الزام ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ نے زہر دیا۔ اس قسم کی روایات کی کوئی اصل نہیں، بہر حال یہ حقیقت ہے کہ آپ کی شہادت مہلک زہر سے ہوئی تھی۔ آپ بہت حسین وجمیل تھے، سراپا تصویر رسول تھے، بہت فیاض تھے، خراج کی آمدنی غربا پر خرچ کرتے تھے۔ آپکے دروازے سے کوئی خالی نہ لوٹتا تھا۔

خلافت سے دستبردار ہوکر ساری زندگی تعلیمو تبلیغ میں بسر فرمائی، سیاست سے کنارہ کش رہے۔ عبادت وریاضت میں آپ کا منفرد مقام تھا۔ آپ کا قوم پر یہ عظیم احسان ہے کہ آپ نے خلافت کی قربانی دے کر اتحاد کی راہ ہموار کردی۔

عہدِ ملوکیت

(۱)

خلافت راشدہ کا دور حضرت امام حسنؓ کی دستبرداری پہ ختم ہو گیا۔ اور اسلام کے سلطانی وبادشاہی دور کا آغاز ہوتا ہے، پہلے سلطان اسلام حضرت امیر معاویہؓ ہوئے۔ آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ لیکن حضرت علی المرتضیٰؓ کے مقابلے میں اجتہادی لغزش کا شکار ہوئے۔ چونکہ حضور ﷺ کے صحابی اور نہایت قریبی رشتہ دار تھے اس لیے کسی مسلمان کو ان پر زبان طعن دراز کرنے کی کوئی اجازت نہیں۔ صحابہ کرام کو تاریخ وسیاست کی بجائے قرآن وحدیث کی نظر سے دیکھنا چاہتے۔ حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کی مخالفت کے

علاوہ آپ کا صوبہ شام پر بطور والی اور بعد میں پوری سلطنت اسلامی پر بحیثیت حکمران کام کرنا آپ کے کامیاب اور تجربہ کار ہونے کی دلیل ہے۔ آپ نے خلافت بنوامیہ کی بنیاد رکھی۔ آپ کا دور امن و ترقی سے عبارت تھا۔ اگرچہ بعض مقامات پر خوارج اور شیعان علی کی طرف سے بغاوت ہوئی مگر آپ نے حسن تدبر یا روز بازو سے ان کو ختم کر دیا۔ آپ نے بر صغیر پاک و ہند پر حملوں کا آغاز فرمایا اور کابل و ملتان کے درمیان بند اور اہواز تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ ترک علاقے قیقان پر قبضہ کیا۔ ترکستان اور شمالی افریقہ کی فتوحات کے رکے ہوئے سلسلے کو آگے بڑھایا۔ اہل روم سے معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ قسطنطنیہ کیلئے لشکر بھیجا۔ میزبان رسول حضرت ابوایوبؓ اسی جہاد میں شہید ہوئے تھے۔ بحیرہ روم کے جزائر روڈس اور ارواڈ کو زیر نگیں کیا۔ سسلی اور کریٹ کے جزیروں پر بھی حملے کیے گئے۔

ایک انتشار زدہ سلطنت میں نظم و ضبط قائم کرنا، دیوان البرید کو قائم کرنا، محکمہ پولیس کو فعال بنا کر ریاست سے جرائم کا خاتمہ کرنا، صیغہ فوج کو ترقی دینا، زراعت کو ترقی دینا۔ قروان جیسے شہر آباد کرنا، شاندار اسلامی فنِ تعمیر کا آغاز کرنا۔ آپ کے کارنامے ہیں۔ آپ کی مجلس میں عام مسلمان اور کسی سردار میں کوئی امتیاز نہیں تھا، نہایت حلیم الطبع اور بردبار انسان تھے، رعایا کے خیر خواہ تھے۔ شجاع تھے، دور اندیش تھے، شدید مخالفین کیلئے بھی دریا دل تھے، غریب نواز تھے، کھانے پر کسی محتاج کو ضرور مدعو کرتے۔ اس کی بہت سی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں چونکہ آپ فیضان نبوت سے پروردہ تھے۔ اس لیے اس فیضان کا اثر آپ کے دور حکومت میں واضح دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی لیے علما کرام فرماتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز جیسا نیک انسان بھی آپ تو آپ، آپ کے گھوڑے کے نتھنوں میں پھنسی مٹی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ (مکتوبات امام ربانی)

(۲)

خلافت بنو امیہ میں ولید بن عبد الملک کا دور نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔ اُس کے عامل حجاج بن یوسف کی سنگدلی بھی بہت مشہور ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اس کی نگرانی میں بھیجے جانے والے عساکر اسلامی کے کارہائے نمایاں بھی تاریخ اسلام کا سرمایہ ہیں۔ ولید علم وفضل سے بے بہرہ تھا مگر ایک اعلیٰ پائے کے حکمران کے جملہ اوصاف اس میں پائے جاتے تھے۔ اس کا دور امن وسکون، ترقی وخوشحالی سے عبارت تھا۔ تمام بیرونی مخالفتوں اور اندرونی شورشوں کا قلع قمع ہو چکا تو اس کی تمام تر توجہ فتوحات کی طرف مبذول ہوئی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر اور مسلمہ بن عبد الملک جیسے نامور، جری اور فاتح سالار مل گئے جنہوں نے اسلامی حکومت کو چین و یورپ تک پھیلا دیا۔ ولید کی فتوحات نے دورِ فاروقی کی فتوحات کی یاد تازہ کر دی۔

❁ وسط ایشیا میں قتیبہ بن مسلم نے خراسان کا نگرانِ اعلیٰ بن کر قدم مضبوط کیے اور دریائے جیحوں کو عبور کر کے صغانیاں پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں شومان اور کفیان کے حکمران بھی مطیع ہو گئے۔ یہ ۸۶ ہجری کا واقعہ ہے۔ باذغیس کے حکمران نیزک نے اپنے علاقے کی حفاظت کی شرط پر صلح کی اور قتیبہ کا معاون بن گیا۔ یہ بھی قتیبہ کی فراست کا ثبوت ہے۔ ۸۷ ہجری کو ریاست بخارا کے شہر بیکنڈ کو فتح کیا، ۸۸ ہجری کو نومشکت فتح ہوا۔ ۹۰ ہجری کو اہل بخارا کے ساتھ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ ترک بڑی جانبازی سے لڑے مگر مسلمانوں نے انہیں مار بھگایا۔ ۹۱ ہجری میں نیراک نے بغاوت کی تو قتیبہ نے اس کی گردن اڑا دی۔ ۹۳ ہجری میں سمرقند اور خوارزم کو زیر کیا۔ ۹۴ ہجری کو شاش اور فرغانہ کو مسخر کیا اور پیش قدمی کرتے ہوئے چین کی سرحدوں پر پہنچ گئے۔ ۹۶ میں خاقان چین خاقان چین کو سبق سکھانے کے لیے قتیبہ سرحدی شہر نے کاشغر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ مسلمانوں کے جذبہ جہاد سے

آگاہ تھا اس نے گفت وشنید کیلئے اسلامی وفد طلب کیا۔ قتیبہ نے کہلا بھیجا کہ میں نے چین کی سرزمین پر اپنا گھوڑا دوڑانے کی قسم اٹھائی ہے۔ جب تک تم سے خراج وصول نہ کروں گا واپس نہ جاؤں گا۔ خاقان نے ترکستان کا حشر دیکھ لیا تھا لہذا اس نے اسلامی حکومت کی اطاعت میں ہی عافیت محسوس کی اور خراج دے کر لڑائی کے امکان کو ختم کر دیا۔

✲ سندھ پر راجہ داہر کی حکومت تھی وہ بہت ظالم وجابر راجہ تھا۔ اور بدھوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتا تھا۔ حجاج نے ساری صورت حال دیکھ کر محمد بن قاسم کو لشکر دے کر سندھ روانہ کیا، محمد بن قاسم نے دیبل پر حملہ کیا اور خوفناک معرکے کے بعد شہر فتح کر لیا۔ بعد ازاں نیروان کی طرف پیش قدمی ہوئی۔ اہل نیروان نے دیبل کا انجام دیکھ کر صلح میں بہتری دیکھی اور نہایت تزک واحتشام سے اسلامی لشکر کا استقبال کیا۔ نیروان کے بعد سیوستان پہ قبضہ کیا۔ اس کے بعد سیسم پر حملہ کیا، اسی دوران کاکوتک کا حکمران محمد بن قاسم کے ساتھ مل گیا، جو ایک اہم کامیابی تھی۔ ۹۳ ہجری میں راجہ داہر سے فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ محمد بن قاسم نے دریا عبور کیا اور راوڑ کے مضافات میں سندھی افواج کے ساتھ عظیم معرکہ رونما ہوا۔ دس رمضان المبارک کو شروع ہونے والی جنگ دو روز جاری رہی۔ اس جنگ نے راجہ داہر کی کمر توڑ دی اس کی فوج تباہ و برباد ہوگئی، بڑے بڑے سورما سردار مارے گئے، راجہ داہر بھی مارا گیا۔ شکست خوردہ لشکر قلعہ راوڑ میں پناہ گزیں ہوا مگر تھوڑے عرصے میں اسلامی لشکر نے اس قلعے کو بھی فتح کر لیا۔ پھر برہمن آباد، اردر، باتیہ اور ملتان جیسے علاقے بھی فتح ہو گئے، ملتان کی فتح سے اتنا مال غنیمت حاصل ہوا کہ حجاج بن یوسف نے خوش ہو کر کہا ''اب ہمارا غصہ فرو ہوا، کیونکہ صرف شدہ رقم سے دوگنا خزانہ وصول ہوا ہے۔ چھ کروڑ درہم اور راجہ داہر کا سر نفع میں ملا۔'' (فتوح البلدان ص ۴۴۰) محمد بن قاسم کے عظیم کردار کو دیکھ کر سندھ کے عوام نے سے اپنا نجات دہندہ تصور کیا اور اسلام کے دامن میں پناہ لی۔

❁ ایشیائے کوچک میں قسطنطنیہ کی حکومت مسلمانوں کی حریف تھی، شام کے ساحلوں پر ہمیشہ اس کے حملوں کا خطرہ رہتا تھا۔ ولید نے اسکو ختم کرنے کیلئے اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک اور بیٹے عباس کو مامور کیا۔ انہوں نے جنگی اہمیت کے حامل علاقے زیر کیے، ۸۷ ہجری کو مسلمہ نے مصیصہ کے علاقے حصِ لولق، حص احزم، حص بونس فتح کیے، ۸۸ ہجری کو عباس نے قلعہ طوانہ فتح کیا۔ ۹۴ ہجری تک دونوں کی کوششوں سے اردلیہ، عموریہ، طرطوس اور انطاکیہ فتح ہو گئے۔ ان علاقوں میں اسلامی تعلیمات کو فروغ ملا۔ کفر و گمراہی کے اندھیرے کافور ہوئے۔

❁ ۸۹ ہجری کو موسیٰ بن نصیر کو افریقی مقبوضات کا والی مقرر کیا گیا تو بربروں نے بغاوت کر دی مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ جرنیل آہنی اعصاب کا مالک ہے، اس نے برق و باراں کی طرح حرکت میں آ کر پورے افریقہ کو روند ڈالا، ۸۹ ہجری کو طنجہ کو فتح کیا جو بربروں کا دارالحکومت تھا۔ اس نے ایک ایک بربری کو تہذیب و تمدن سے آشنا کیا، موسیٰ بہت بڑا مبلغ بھی تھا۔ اس کی برکت سے افریقہ کے کفرکدے میں بہت تیزی سے اسلام پھیلا، اس نے بحیرہ روم کے بہت سے جزیروں پر بھی قبضہ کیا۔

❁ افریقہ کے ساحلی علاقے حکومتِ اندلس کے زیر اثر تھے۔ اندلس میں یہودی آبادی پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے، تہذیب کا نام و نشان نہ تھا۔ لوگ طبقاتی کشمکش میں الجھے ہوئے تھے، اندلس کا بادشاہ ازریق غاصب تھا اور عوام دشمن تھا، موسیٰ بن نصیر نے خلق خدا کو اس ظلم و ستم سے نجات دلانے کیلئے طارق بن زیاد کو ۷ ہزار تین سو سرفروشوں کا لشکر دے کر اندلس کے ساحل پر اتارا۔ جبل الطارق کے دامن میں حاکمِ مرسیہ تھیوڈویر کے ساتھ جنگ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے دین کے راستے میں کشتیاں جلانے والوں کو فتح و نصرت سے نوازا۔ بقول اقبال:

طارق چو بر کنارہ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کار تو بہ نگاہِ خرد خطا است
دوریم از سواد وطن باز چوں رسیم
ترک سبب ز روئے شریعت کجا روا است
خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت
ہر ملک، ملک ما است کہ ملکِ خدائے ما است

حاکم مریہ نے بادشاہ اندلس ازریق (راڈرک) کو اطلاع دی تو اس نے طارق کا راستہ روکا۔ اس کے لشکر جرار کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ جبکہ مسلمان بارہ ہزار تھے، مسلمانوں نے کفر کے چھکے چھڑا دیئے اور اندلس میں فتوحات کا سلسلہ جاری ہوا۔ معرکہ لاگو جنڈہ کے بعد طارق نے لشکر کے چار حصے کیے اور مختلف علاقوں کی طرف بھیجے جا دیکھتے ہی دیکھتے غرناطہ، قرطبہ، تلیطلہ اور مالقہ جیسے شہر فتح ہو گئے۔ عیسائی عوام نے شہروں کو چھوڑ کر جنگلوں میں پناہ لی۔ دریں اثنا موسیٰ بن نصیر نے اندلس میں داخل ہو کر اشبیلیہ اور ماردہ پر قبضہ کیا پھر دونوں نے مل کر شمالی علاقوں کا رخ کیا یہاں تک کہ سرقوسہ، برسلونہ کو زیر کرتے ہوئے فرانس کی سرحد دریائے رڈونہ تک پہنچ گئے، وہ فرانس پر حملے کیلئے پر تول رہے تھے کہ خلیفہ ولید کا حکم پہنچ گیا کہ اتنی فتوحات پر اکتفا کرتے ہوئے واپس آ جاؤ۔ اندلس سے بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا، موسیٰ نے امیر المومنین کو اطلاع دی کہ ''یہ فتوح نہیں حشر ہے، سونے چاندی اور جواہرات کا کوئی شمار نہیں، بہت سے نادرِ روزگار ہاتھ آئے ہیں، موسیٰ کے بعد اسکا بیٹا عبدالعزیز اندلس کا حکمران ہوا، جو نہایت مدبر اور اعلیٰ درجے کا منتظم تھا۔ اس کی کوششوں سے اندلس میں مادی روحانی ترقی کے دروازے کھلے، عوام کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا، امرا کی بالادستی، استحصالی قوتوں کی برتری اور استبدادی نظام حکومت کی

دہشت گری کو ختم کر کے عدل و انصاف، اخوت و محبت، اور مساوات و یگانگت کے اسلامی اصول نافذ کیے، سب کو مذہبی معاملات کی آزادی حاصل تھی، عیسائی اور یہودی عبادت گاہوں سے کوئی تعرض نہ کیا۔ اس دوران پورا یورپ جہالت کے اندھیروں میں کراہ رہا تھا، سپین میں پھوٹنے والی اسلامی کرنوں نے اسے بھی تہذیب و تمدن سے مالا مال کر دیا۔ غلبہ اسلام سے قبل اندلس میں غلاموں کی تعداد آزاد باشندوں سے زیادہ تھی، وہ سب مسلمان ہو کر آزاد ہو گئے، مسلمانوں کی رواداری دیکھ کر لاکھوں عیسائیوں نے اسلام قبول کیا، یہی وجہ ہے کہ اندلس میں طویل عرصے تک کہیں بغاوت نہ ہوئی کیونکہ عوام اسلامی حکومت کو عیسائی حکومت پر ہزاروں گنا ترجیح دیتے تھے اور وہ امن و امان کے سائے میں سکھ کی زندگی بسر کرنے لگے تھے۔

(۳)

بنو امیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے خلیفہ راشد نے اقتدار سنبھالا اور ۹۹ ہجری تا ۱۰۱ ہجری سلطنت کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ آپ کے بارے میں شاہِ روم کے الفاظ تاریخی اہمیت کے حامل ہیں: ''اگر عیسیٰ مسیح کے بعد کوئی شخص مردوں کو زندہ کر سکتا تو وہ عمر بن عبدالعزیز ہوتا۔ میں اس راہب کو پسند نہیں کرتا جو دنیا سے منقطع ہو کر عبادت خانہ میں جا بیٹھے، میں اس راہب پر تعجب کرتا ہوں جو دنیا کو اپنے قدموں کے نیچے رکھتا تھا اور پھر راہبانہ زندگی بسر کرتا تھا'' (تاریخ مسعودی)

اگرچہ آپ کو سلیمان بن عبدالملک نے نامزد کیا تھا مگر آپ نے مسلمانوں سے باقاعدہ رائے لی اور جمہوری طریقے سے مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ نے بنو امیہ کے سرمایہ داری نظام کو ختم کر دیا۔ غصب شدہ مال و جائداد واپس لیا۔ باغ فدک کو آل مروان سے لے کر اس صورت پر [illegible] کی اصلاح فرمائی۔ عمال

کا زبردست محاسبہ کیا، آلِ رسول پر تبرّیٰ کی مذموم روش بند کر دی۔ ذمیوں سے اچھا سلوک کیا، اسلام کی اشاعت میں گراں قدر کوششیں کیں۔ سندھ کے حکمرانوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط بھجوائے۔ اکثر امور احکام نماز سے غافل تھے، آپ نے انہیں نماز کی پابندی کا حکم دیا۔ کہ جو نماز کو ضائع کرتا ہے وہ دوسرے فرائض کو زیادہ ضائع کرتا ہے عجمی رسومات پر پابندی لگائی۔ فیشن پرستی کی بیخ کنی کی۔

شراب فروشی و شراب نوشی کے انسداد کیلیے موثر قانون بنائے، طب یونانی کو عربی زبان میں ڈھال کر ملک کے حصوں میں پھیلایا۔ قرآن و حدیث، فقہ وغیرہ کے علوم و معارف کی ترویج میں علماء کرام کی حوصلہ افزائی کی۔ آپ نے ڈھائی سال کے مختصر عرصے میں مجددانہ مساعی کی بدولت اسلام کے اصولوں سے بیگانہ حکومت کو خلافت راشدہ کے قریب کر دیا، آپ کا دور اسلام کا تاریخ ساز دور کہلاتا ہے، آپ نے فتوحات کی جگہ انقلابی اصلاحات پر زیادہ توجہ دی، جس سے معاشرے میں سوئی ہوئی اسلامی اقدار انگڑائی لے کر جاگ اٹھیں۔ شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں:

"حضرت عمر بن عبد العزیز کا اصلی مقصد خلافت راشدہ کا دوبارہ احیا تھا لیکن اموی حکومت کو جمہوری بنانا آپ کے اختیار میں نہ تھا، اس لیے آپ کم سے کم اس کی برائیاں دور کر کے طرز حکمرانی میں خلافت راشدہ کے قریب تر کر دینا چاہتے تھے۔ یہ انقلاب جتنا اہم تھا اتنا ہی خطرناک اور نازک تھا لیکن آپ نے تمام مشکلات کو نظر انداز کر کے کام شروع کر دیا۔" (تاریخ اسلام جلد۲ ص ۲۰۹)

(۴)

۱۱ جمادی الثانی ۱۳۲ھ بمطابق ۲۵ جنوری ۷۵۰ء کو ساحل زاب پر لڑی جانے والی عظیم جنگ کے بعد بنو امیہ کے اقتدار کا سورج ڈوب گیا، اور سلطنت اسلامی میں بنوعباس

ایک نئی طاقت بن کر نمودار ہوئے۔ ان کی حکومت بھی شخصی تھی۔ مطلق العنان تھی۔ بنو عباس میں بڑے بڑے کروفر، جاہ وحشمت والے خلفا ہوئے جو خوبیوں اور خامیوں کا مجموعہ تھے، ہادی کی اچانک وفات کے بعد اسکا بھائی ہارون الرشید تختِ خلافت پر بیٹھا، اس کے اقتدار میں اس کے اتالیق یحییٰ برمکی کا ہاتھ تھا، چنانچہ اس نے یحییٰ کو وزیر اعظم مقرر کر دیا۔

بنو عباس میں یہ دور اسلامی، علمی، ادبی، ثقافتی، سائنسی، تہذیبی، معاشرتی اقدار کے حوالے سے بہت اہم اور تاریخ ساز خصوصیات پر مبنی ہے، ہارون نے بنو فاطمہ پر لگائی گئی تمام پابندیاں اٹھالیں۔ ان کے وظائف اور جائیدادیں بحال کیں لیکن بنو فاطمہ خوش نہ ہوئے، چنانچہ انہوں نے بربریوں کے ساتھ مل کر شمالی افریقہ میں الگ حکومت بنائی جو سلطنتِ عباسیہ کی موجودگی میں صدیوں قائم رہی۔ افریقی، مصری، یمنی قبائل نے بغاوتیں کیں، روسی فوجوں نے مسلم مقبوضات پر حملے شروع کیے تو ہارون نے ان تمام مشکلات کا مقابلہ کیا اور ریاست میں امن وامان قائم کیا۔ ہارون کے دور میں جتنی علمی وتمدنی ترقی ہوئی کسی خلیفہ کے دور میں نہ ہوئی۔ مسلمان معاشرتی اور سیاسی شعور کی اس انتہا پر فائز ہوئے کہ کوئی قوم ان کی ہمسر نہ ہو سکی ہارون بیدار مغز منتظم، عدل پرور حکمران تھا۔ اس کی انقلاب آفرین اصلاحات نے بہت تھوڑے عرصے میں ملک کو خوشحال بنا دیا۔ اس نے محتاجوں کے روزینے مقرر کیے۔ شرعی قوانین نافذ کیے۔ دستورِ حکومت کی جملہ خرابیوں کو دور کیا۔ غیر شرعی ٹیکس ختم کر دیئے بدطینت حکام کو معزول کیا۔ تجارت وزراعت کو فروغ دیا۔ وصولی خراج کے طریقوں میں آسانی پیدا کی، ہندوستان، چین، افریقہ اور مشرق ومغرب کے ممالک سے تجارتی رابطے کیے۔ اس کے دور میں راہ ماری، چوری، دہشت گردی کا نام ونشان نہ تھا۔ گزرگاہوں اور شاہراہوں پر منزلیں مقرر تھیں اور وہاں مسافروں کیلئے سرائیں بنائی گئی تھیں، پانی کے کنوئیں اور حوض جابجا تعمیر کیے گئے، دولت کی فراوانی تھی، تمام اخراجات نکال کر

بیت المال میں ہر سال چالیس کروڑ درہم کی رقم جمع رہتی، ہارون علم وفن کا قدر دان تھا، اسکے دربار میں وقت کے بڑے بڑے علماء حاضر ہوتے تھے اور وہ ان کی خدمت کرتا تھا۔ اصحاب کمال کو بے دریغ انعامات واکرامات سے نوازتا تھا، بغداد اور دیگر بلاد کی مسجدیں اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ تھیں، امام مالک، امام محمد، امام زفر، امام سفیان ثوری، ابن سماک، قاضی ابو یوسف جیسے اکابر ملت اس کے ہمعصر تھے۔ ان کے دروس کی روشنیاں پورے عالم اسلام کو مالا مال کر رہی تھیں، ہارون نے نجوم، فلسفہ، طب، ریاضی اور منطق کی تعلیم کا بھی معقول بندوبست کیا۔ اس نے بیت الحکمت کے نام سے ترجمہ وتالیف کا مثالی ادارہ قائم کیا۔ اس دور میں واقدی، ابن قتیبہ جیسے مورخوں، اصمعی اور خلیل جیسے علم اللغات کے ماہروں، عباس، ابونواس جیسے شاعروں، ابراھیم موصلی اور اسحاق موصلی جیسے موسیقاروں نے اپنے اپنے فن کے میدانوں میں سکہ جما دیا۔ ان تمام کو ہارون کی سرپرستی حاصل تھی، سید امیر علی نے لکھا ہے کہ تاریخی تنقید کے ترازو میں تم چاہے جسطرح تولو! ہارون الرشید ہمیشہ دنیا کے عظیم حکمرانوں کی صف میں جگہ لے گا۔"

(۵)

خلافت عباسیہ کے دوران اندلس میں بنوامیہ کے ایک شہزادے عبدالرحمٰن الداخل نے بہت تگ ودو اور عزیمت کے ساتھ حکومت قائم کر لی۔ عبدالرحمٰن کا دور جانفشانی سے عبارت تھا۔ اس نے انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں اپنی حکومت کی بقا کیلئے جدوجہد کی اور آنے والوں کیلئے راستہ ہموار کیا۔ اس کے بعد اسکا بیٹا ھشام تخت نشین ہوا جو منصب مزاج، نرم دل، سچا، دیندار اور نیک حکمران تھا۔ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نقشِ قدم پر چل کر اسلامی روایات کو قائم کیا۔ اس کے بعد حکم اور عبدالرحمٰن دوم جیسے باجبروت بادشاہ ہوئے، اندلس میں ایک عظیم اور تاریخ ساز شخصیت کا مقام عبدالرحمٰن سوم الناصر الدین اللہ کو نصیب

ہوا جو ۹۱۲ تا ۹۶۱ ء تخت حکومت پر فائز المرام رہا، اس سے پہلے محمد اور عبداللہ جیسے حکمرانوں نے حالات کو بہت خراب کر دیا تھا، ہر طرف شورشوں اور سازشوں کے طوفان تھے۔

سرکش جاگیردار اور خودغرض صوبیدار مرکز سے لاتعلق ہوتے جا رہے تھے، بیرونی حملہ آوروں نے الگ لوٹ مار مچا رکھی تھی، اور قریب تھا کہ اندلس کی اسلامی حکومت ملیا میٹ ہو جاتی کہ اسے عبدالرحمٰن سوم جیسا مرد آہن میسر آ گیا، جس کے زور بازو نے اندلس کے زوال کو عروج میں تبدیل کر دیا، اسکی عمر ۲۲ سال تھی، لیکن وہ کم عمری کے باوجود بلا کا زیرک، بہادر اور مدبر تھا، عوام و خواص اس کی ژرف نگاہی، بلند فکری، خدا مستی، اور اعلیٰ ظرفی کے مداح تھے، سب نے اسکا استقبال کیا اس کے تخت نشین ہوتے ہی حکومت کے ہر شعبے میں جان پڑ گئی، اس نے محاصل معاف کر دیے باغیوں کے لیے عام معافی کا اعلان کیا فوج کو منظم کیا اور بیرونی حملہ آوروں کی آرزوئیں خاک میں ملا دیں، اب اسکی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اس کے سامنے اشبیلیہ، ایلویر، مانٹے لیون کے علاقے فتح ہوئے چلے گئے، بقول ڈوزی اس نے عرب، اندلس اور بربر سب قوموں کو شکست دے کر اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا، یورپ کے بڑے بڑے حکمران اندلس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کے لیے بے تاب تھے لیون اور نواری کے عیسائی حکمران مسلمانوں کو تنگ کرتے تھے، سلطان اسلام نے ۹۱۶ ء میں فوج بھیج کر ان کو عبرت کا نشان بنا دیا، عبدالرحمٰن کی پچاس سالہ حکومت نے اندلس کو چار چاند لگا دیئے، وہ مالگذاری کی جملہ رقوم عوام پر خرچ کرتا تھا، اس نے بے شمار عمارات، پل، شاہراہیں تعمیر کیں، سڑکوں پر روشنی کا انتظام کیا، شہروں سے گندے پانی کے نکاس کے لیے نالے بنائے، پینے کا پانی جستی نالیوں کے ذریعے شہروں میں پہنچایا، مسجد قرطبہ کا ایک سو آٹھ فٹ اونچا مینار تعمیر کیا، صرف قرطبہ میں آٹھ سو ثانوی مدارس قائم کیئے، جامع مسجد میں یونیورسٹی قائم کی جس میں تمام علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی

تھی، اس نے اپنی محبوب بیوی کے نام سے قصرزہرا تعمیر کیا جس کی لمبائی چار میل اور چوڑائی تین میل تھی، بحری بیڑا بنایا، محکمہ پولیس میں اصلاحات نافذ کیں، ایک ہزار تجارتی جہاز بنائے، جو تجارت کا سامان دوسرے ممالک سے لاتے اور لیجاتے تھے، اس کے دور میں قرطبہ، غرناطہ، المیریا اور اشبیلیہ صنعت وحرفت کے اہم مرکز بن گئے، اس نے شہروں کی فلاح کے لے چار سو کے لگ بھگ میونسپل کمیٹیاں تشکیل دیں، الغرض اسکا دور ایک سنہری دور ہے لین پول لکھتا ہے، کہ عبدالرحمن سوم کے زمانے میں، ہسپانیہ اتنا عظیم ہوگیا تھا کہ اس کے دربار میں حاضری دینے کے لیے قسطنطنیہ کے شہنشاہ، فرانس، جرمنی اور اٹلی کے سفیر حاضر ہوئے اہل یونان نے بھی اس کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا افریقہ کے ساتھ بھی تعلقات خوشگوار رہے، سفیروں کی آمدورفت سے اس نے اپنی طاقت وہمت کا لوہا منوالیا، اب اس کا کوئی مخالف نہ تھا،

(٦)

خلافتِ عباسیہ کے دوران مختلف علاقوں میں مختلف نسلوں کی خودمختار حکومتیں قائم ہو چکی تھیں، ان میں آل سلجوق کی حکومتوں کا دور اسلام کی ترقی وعروج کا اہم باب ہے، سلاجقہ اتراکِ قنق کی اس شاخ سے تعلق رکھتے تھے، جو غز کے نام سے مشہور تھی، یہ لوگ ترکستان اور چین کے وسطی علاقے میں رہتے تھے، ان کے قبیلوں کی تعداد ہزاروں کے قریب تھی، ان کا مورث اعلیٰ سلجوق تھا، جس نے اس خاندان کو چار چاند لگائے، آل سلجوق سنی المسلک تھے، اور بنوعباس کا ازحد احترام کرتے تھے، انہوں نے بنوعباس کو فاطمیوں کے تغلب سے نجات دلائی، سلاجقہ میں چار بادشاہ بہت عظمت کے حامل ہوئے، طغرل بک، الپ ارسلان، ملک شاہ اور سلطان سنجر ان چاروں عظیم بادشاہوں کو سلاجقہ بزرگ بھی کہا جاتا ہے،۔

❁ طغرل بک نے ۱۰۵۵ء سے ۱۰۶۳ء تک تختِ حکومت پر فائز رہا، طغرل بہت دانا و بینا، عالی حوصلہ اور صاحب فہم و فراست حکمران تھا، اس کی پرہیزگاری اور شان مسلمانی میں بھی کسی کو کلام نہیں، اس نے دم توڑتی ہوئی خلافتِ عباسیہ کو نئی حرارت عطا کی، خلیفہ بغداد نے اسے سلطان المشرقین والمغربین کا لقب دیا، اور خطبے میں اپنے نام کے ساتھ اس کا نام جاری کر دیا، طغرل نے مغرب کی طرف پیش قدمی کی اور فاطمی اہل تشیع کو فلسطین سے نکالا، بازنطینیوں کو شکست دی اور ایشیائے کوچک کے وسیع علاقوں پر قبضہ کرلیا،

❁ الپ ارسلان ۱۰۶۳ء سے ۱۰۷۳ء تک حکمران رہا وہ بھی بہت بلند کردار منصف مزاج اور بہادر سلطان تھا، اسکا وزیر باتدبیر نظام الملک طوسی عالم اسلام میں بہت مشہور ہے، طوسی کی دینی خدمات اور علم و حکمت کی ترویج و اشاعت میں اہم کاوشیں محتاج تعارف نہیں سلطان کی سرپرستی اور وزیر کی علم دوستی نے ہر طرف علمی و ادبی فضا قائم کر دی مدارس کھلے علماء طلبا اور شعرا نے سلجوقی سلطنت کا رخ کیا، سلطان نے رومی سلطنت پر بھی حملہ کیا اور رومی شہنشاہ رومانوس کو عبرتناک شکست دی، لیکن اس کے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کیا، بلکہ کچھ دنوں بعد اسے باعزت رہا کر دیا، اس کے بعد روم میں بھی سلاجقہ کی حکومت قائم ہوگئی، اس کے دور میں فتوحات کے ساتھ ساتھ تمدنی و تہذیبی ترقی بھی قابل داد تھی، ہر جگہ امن و سکون تھا، لوگ خوشحالی کی زندگی بسر کررہے تھے، عدل و انصاف کا غلبہ تھا۔

❁ ملک شاہ نے ۱۰۷۲ سے لے کر ۱۰۹۲ء تک بیس سال حکومت کی یہ سلطان الپ ارسلان کا بیٹا تھا، اسے آل سلجوق کا کامیاب ترین بادشاہ سمجھا جاتا ہے، اس کے عہد میں فتوحات، وسعتِ سلطنت، امن و امان اور خوشحالی کے نقطہ نظر سے ایک بار پھر عباسی عہد کی عظمت گم گشتہ کے نقوش زندہ ہوگئے۔ ملک شاہ نے شام و ترکستان کے علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کیے، اس کی سرحدیں ساحل شام سے لے کر ارض کاشغر تک پھیلی

ہوئی تھیں، وہ غریبوں کا ہمدرد، علم وفضل کا قدردان تھا، اس نے ملک بھر میں بہترین ادارے قائم کیئے جہاں علم کے ساتھ ہنر بھی سکھائے جاتے تھے، اسی کے دور میں نظام الملک طوسی نے بغداد کا مشہور زمانہ مدرسہ نظامیہ تعمیر کیا، رصدگاہ بنوائیں اور ایک کیلنڈر ملک شاہی تیار کیا، ۱۰۹۲ء میں ملک شاہ کا انتقال ہوگیا۔

(۷)

ملک شاہ کے جانشینوں میں سلطان سنجر کے علاوہ سب کمزور ثابت ہوئے، سلاجقہ کے دورِ زوال میں سلطان عماد الدین زنگی کی بلند پایہ شخصیت سورج کی طرح نمودار ہوئی، سلطان عماد الدین نے موصل حران، حلب اور رحماق کے علاقوں پر مضبوط مسلم حکومت اتابکیہ کی بنیاد رکھی، بعد میں اس نے عیسائیوں کو شکست دے کر عکہ، رہا، انطاکیہ اور بعلبک بھی آزاد کرالئے۔ رہا کی ریاست چھن جانے پر عیسائیوں نے دوسری صلیبی جنگ کی تیاریاں شروع کردیں۔ اس دوران سلطان عماد الدین شہید ہوگئے۔ اور عیسائیوں نے رہا پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ اب ان کے مقابلے میں سلطان مرحوم کا عظیم القدر جانشین نورالدین زنگی چٹان کی طرح استادہ تھا، جس نے جرمنی کے بادشاہ کانرڈ سوم اور فرانس کے بادشاہ لوئی ہفتم کی قیادت میں نکلنے والے نو لاکھ کے صلیبی لشکر کا راستہ روکا۔ صلیبیوں کے لشکر کا کثیر حصہ راستے کی مشکلات کی وجہ سے ختم ہوگیا، ایک چوتھائی نے انطاکیہ اور دمشق تک رسائی حاصل کی، نورالدین زنگی اور انکا بھائی سیف الدین زنگی لشکر اسلام کے ساتھ دمشق کی طرف بڑھے تو ان کے خوف سے صلیبی فلسطین کی طرف بھاگ گئے۔

سلطان عماد الدین اور سلطان نورالدین بہت عظیم حکمران تھے جنہوں نے اسلامی اقدار کو اجاگر کیا اور اسلام کی بقا کیلئے ہر میدان میں کفر کے دانت کھٹے کیئے۔ ان کو حضور رسالتمآب ﷺ کے ساتھ کمال کی محبت تھی۔

(۸)

۱۱۶۹ء کو سلطان ح الدین ایوبی نے فاطمی خلیفہ عاضد کو ہٹا کر مصر پر قبضہ کر لیا اور ۱۱۷۴ کو وہ سلطان نورالدین زنگی کے وصال کے بعد مصر کا خود مختار حکمران بن گیا۔ اس نے حجاز، یمن اور شام کے علاقے فتح کر کے سلطنت مصر میں شامل کر لئے ۔ ۱۱۷۵ء کو خلیفہ بغداد نے اس کی ابھرتی ہوئی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ ۱۱۷۵ء میں موصل بھی اس کے ہاتھ آ گیا، اب وہ عیسائیوں کے خلاف لڑنے کیلئے بالکل آزاد تھا۔ ۱۱۷۶ء میں حطین کے مقام پر اس نے عیسائیوں کو ذلت آمیز شکست دی اور اگلے سال بیت المقدس پر قبضہ کر لیا، بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضے نے عیسائی دنیا کی نیندیں حرام کر دیں۔

اگر چہ عیسائی عوام کے ساتھ سلطان کا برتاؤ نہایت شریفانہ تھا اور وہ اسکو "شریف دشمن" بھی کہتے تھے مگر اپنے دیرینہ تعصب کی بنا پر انہوں نے اسلام کے خلاف بہت بڑی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس تیسری صلیبی جنگ میں جرمنی، فرانس اور انگلستان کے بادشاہوں نے حصہ لیا۔ لیکن اتنی بڑی فوج بھی سلطان کے عزم و حوصلہ کے سامنے نیست و نابود ہو گئی۔ ۱۱۳ء میں سلطان کا وسال ہو گیا، سلطان صلاح الدین ایوبی، ملت اسلامیہ کا قابل فخر سپوت ہے جس کی نیک نفسی، دین داری، فیاضی، شجاعت و بسالت، اور بلند کرداری کو قیامت تک یاد رکھا جائے گا۔ اس کے دور میں نظم و ضبط اور رفاہ عامہ کے عظیم منصوبے پایہ تکمیل کو پہنچے، سلطان بہت با حوصلہ انسان تھا۔ بڑے مشکل حالات میں بھی اسکے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ ہوتی مثلاً اس نے عکہ سے لے کر عسقلان کی بندرگاہ تک عیسائیوں کا گیارہ مرتبہ راستہ روکا۔ معرکہ ارسوف میں بہادری کی عظیم داستان رقم کی اور بالآخر ایک معاہدے کے تحت صلیبیوں کو صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس جنگ میں چھ لاکھ عیسائی واصل جہنم ہوئے، اس سے سلطان کی تیغ برق بار کا جوہر آشکارہ ہے۔ واقعی

سلطان نے سرزمین ایشیا کو اہل یورپ کا قبرستان بنا دیا تھا۔

سلطان کا بہادر بیٹا ملک العادل بھی عیسائیوں کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوا۔ اس نے چوتھی صلیبی جنگ ۱۱۹۵ء میں اہل صلیب کو تاریخی شکست دی۔ اور جافہ کا شہر مسلمانوں کو مل گیا۔ پانچویں صلیبی جنگ کے دوران شہر قسطنطینہ تباہ ہوا۔ ۱۲۲۷ء میں پوپ انوسینٹ نے اڑھائی لاکھ جرمن فوج کے ساتھ شام پر حملہ کیا تو ملک العادل نے دریائے نیل کا بند کاٹ کر ان کی پیش قدمی روک دی اور انہیں ناکام واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ سلطنت اسلام کو ان صلیبی طوفانوں سے بچانا سلطان ایوبی اور ملک العادل کے وہ تاریخی کارنامے ہیں جن کو ہمیشہ تحسین و تبریک کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

(۹)

خلافت عباسیہ کے دوران افریقہ میں فاطمیوں کو بہت عروج نصیب ہوا۔ فاطمی حکمران ۹۰۹ء تا ۱۱۷۱ء مصر پر غالب رہے، خلافت فاطمیہ کا بانی ابوعبیدہ اللہ المہدی تھا جس نے شمالی افریقہ میں امن و اماں قائم کیا وہ رحم دلی، انصاف پروری اور دیگر عمدہ خصائل کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔

اسکا جانشین القائم باللہ (۹۳۴ تا ۹۴۶) بہت بہادر نکلا جس نے بحیرہ روم پر اپنا تسلط جمایا اور مراکش کو فتح کیا۔ اس نے روم سے بحری قزاقوں کا خاتمہ کیا اور جنوبی اٹلی پر کامیاب حملے کیے۔ اور ایک حصے پر قبضہ بھی کر لیا، فرانس کے جنوبی حصے سے جینوا و لبارڈی بھی فتح کیے، حکیم بوعلی سینا اور مشہور شاعر رودکی اس سے بہت متاثر تھے۔ اس کے بعد اسکا بیٹا المنصور باللہ (۹۲۵ تا ۹۵۲) تخت نشین ہوا وہ عزیمت و استقامت، ہمت و جرات میں اپنے باپ جیسا تھا۔ اس نے خارجیوں کو کچل کر رکھ دیا۔ اس کے بعد المعز الدین اللہ (۹۵۳ء تا ۹۷۵ء) نے خلافت فاطمی کو بام ثریا تک پہنچا دیا۔ وہ سب سے بڑا فاطمی فاتح اور صاحب علم

وفضل تھا۔ دانائی اسکے کردار کا خاصہ تھی۔ اس نے شمالی افریقہ کو معاشی، سماجی اور تمدنی اقدار کا گہوارہ بنایا اس کے قابل جرنیل جوہر نے افریقہ کے باقی ماندہ علاقے فتح کیے۔ جوہر نے ہی فسطاط کے قریب ۹۶۵ء میں قاہرہ جیسا شہر آباد کیا، جسے بعد میں فاطمیوں نے دارالحکومت بنالیا۔ جوہر نے قاہرہ میں عالی شان مسجد بھی تعمیر کی جو جامع الازہر کے نام سے مشہور ہوئی، یہ عالم اسلام کی قدیم اور عظیم یونیورسٹی ہے جس کے دامن سے لاکھوں علما وطلبا سیراب ہوئے۔ المعز بہت خداترس، عابد وزاہد اور شب بیدار بادشاہ تھا، کئی زبانیں جانتا تھا، اہل علم کا قدردان تھا، عوام کی حاجات کا بہت خیال رکھتا تھا۔

المعز کی وفات کے بعد اسکا بیٹا العزیز باللہ (۹۷۵ تا ۹۹۶) مسند خلافت وحکومت پر متمکن ہوا، اسکا دور فاطمی خلافت کا سب سے سنہری دور ہے، جس میں مسلمانوں نے فتوحات کے ساتھ علم وادب، صنعت وحرفت، علوم وفنون، امن وامان، خوشحالی وفارغ البالی کے میدانوں میں نمایاں ترقی حاصل کی۔ العزیز بہت عقلمند، دوراندیش، بہادر، فیاض اور نیک دل حکمران تھا، اسکی مروت ومحبت اور رعایا پروری مشہور تھی۔ اسکی حکومت کا سکہ عراق سے لے کر بحراوقیانوس تک قائم تھا۔

(۱۰)

تاریخ اسلام میں داستانِ سلطنت عثمانیہ نے جس قدر رنگینیاں پیدا کیں ہیں اپنی مثال آپ ہے۔ قدرت نے شاید ہی کسی قوم کو اس تسلسل کے ساتھ اتنے کامیاب حکمران عطا کیے ہیں، جتنے آل عثمان کو عطا کیے، ترک نسلاً تورانیوں سے متعلق ہیں، یہ لوگ وسط ایشیا کے میدانوں اور کہساروں میں خانہ بدوشوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں منگولوں کے طوفان سے بچنے کیلئے مغرب کی طرف نکل گئے۔ اور اناطولیہ کے مغربی علاقوں میں آباد ہو گئے، یہاں ان کو اسلام کی روشنی نصیب ہوئی، گویا در بدر بھٹکنے کے

بعد جب منزل مراد اچانک سامنے آ گئی تو زندگی کا مقصد پورا ہو گیا۔ یہ لوگ بلا کے بہادر، جفاکش اور اہل فراست تھے۔ اب اسلام نے ان کی ان صفات کو بام عروج پر پہنچا دیا تو یہ اسلام کے محافظ بن گئے، ایک دور ایسا بھی آیا کہ تاتاریوں کے سامنے سلجوقی حکمران نہ ٹھہر سکے تو ان کے ایک ترک سردار ''ارطغرل'' نے الگ خود مختار حکومت قائم کر لی۔ اس کی حد مشرقی روم سے جا ملتی تھی۔ ارطغرل کے پرچم تلے ترک جمع ہو گئے، اس کے بعد اس کے بہادر اور دانشمند بیٹے عثمان نے ترک سلطنت کی حدود کو وسعت دی۔ اسی عثمان کے نام سے ترک آل عثمان کہلائے۔ عثمان بہت وسیع النظر، اعلیٰ ظرف اور کمال کا منتظم تھا۔ اس نے دور نبوی کے غزوات کا انداز اختیار کیا جس کی برکت سے اس نے بازنطینی حکومت کے متعدد علاقے فتح کر لیے۔ اس نے امیر کا لقب اختیار کیا۔ ۱۳۱۷ء میں اس نے بروسہ کا محاصرہ کیا اور چار سال کے طویل اور شدید محاصرے کے بعد ۱۳۲۱ء میں اس کو فتح کر لیا اسی سال اس باہمت انسان کا انتقال ہو گیا تو اس کے بیٹے اورخان نے عنان اقتدار سنبھالی اورخان نے بروسہ کو دارالحکومت بنا، وہاں عمدہ عمارات تعمیر کیں، علم و ادب کے فروغ کیلئے مدارس قائم کیے۔ اورخان اور اسکے بھائی اور وزیر اعظم علاوالدین نے سلطنت کو استحکام دیا اور باقاعدہ فوج تیار کی، جسے ''چوینی چری'' کا شہرہ آفاق نام نصیب ہوا، اسلحہ بنایا، منجنیقیں بنائیں، اورخان کے لشکروں کے سامنے کوئی سپہ سالار ٹھہرنے کی جرات نہ کرتا ۱۳۶۰ میں اورخان فوت ہو گیا تو اس وقت ترک ایشیا میں مستحکم تھے اور یورپ میں فتوحات کے دروازے کھول چکے تھے اس کے بعد اسکا بیٹا ''مراد اول'' قوم کا قائد بنا، وہ اپنے باپ کی طرح عالی ہمت اور حوصلہ مند تھا۔ اس نے سربیوں اور بلغاریوں سے ان کے تمام علاقے چھین لیے۔ اس نے یورپ کی طرف قدم بڑھایا اور تھریس کے مقام پر اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ اور وہاں سے تہلکہ خیز معرکوں کا آغاز کیا کہ یورپ کی نیندیں حرام کر دیں، اس نے بروسہ کی بجائے ایڈریا کو اپنا

پایہ تخت قرار دیا۔ یورپ کی کمزور حکومتوں نے اسکے حضور معاہدوں کی التجا کی۔ ۱۳۷۱ تک اس نے بلقان کی پہاڑیوں پر شوکت اسلامی کے پرچم لہرا دیئے، زاروں کو اپنا مطیع بنالیا۔ پوپ اربن پنجم نے اسکے خلاف صلیبی محاذ قائم کیا، تمام یورپی اکٹھے ہوکر میدان میں اترے مگر مراداول نے انہیں عبرتناک شکست دے کر گیلی پولی پر قبضہ کرلیا۔ اسکے بعد اتحادی سربیا کے حاکم کی قیادت میں اترے تو اس نے دریائے مرکتزا کے کنارے پر ۱۳۷۱ء میں ان کا مقابلہ کیا اور مقدونیہ پر قبضہ کرلیا۔ بعدازاں اس نے البانیہ اور یونان پر حملے کیے اور اس کے لشکر دور تک نکل گئے،، اس کے جرنیلوں خیرالدین، جندرلی، اور حاجی البرزی نے فتوحات جاری رکھیں۔ صوفیا، نیش فتح ہوئے، وینس نے روس اور کاکیشیا کے ساتھ شامل ہوکر بحراسود میں تجارتی مفادات کے تحفظ کیلئے مراداول کے سامنے معاہدے کی درخواست کی۔ ۱۳۸۹ء میں سربی، بلقانی، بوسینی، بلغاری قومیں ترکوں کے مقابلے میں اٹھ کھڑی ہوئیں تو، مراداول نے ۲۰ جون ۱۳۸۹ء کو قوصوہ کے مقام پر انہیں پیوند خاک بنا کر رکھ دیا، مراداول کو ایک عیسائی نے دھوکہ سے شہید کیا۔ مراداول ایک عظیم حکمران اور صاحب کردار مسلمان تھا، اسکے بعد اسکے عظیم لخت جگر ''بایزید یلدرم'' کا دور شروع ہوا۔ جو نہایت برق رفتار، عالی ہمت، دوراندیش اور جفاکش حکمران تھا، اس کے حملے اسقدر تیز اور اچانک ہوتے تھے کہ تاریخ میں وہ یلدرم یعنی ''برق خاطف'' کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس نے ایشیا اور یورپ کے متعدد علاقے زیر کیے، وہ پہلا حکمران تھا جس نے اپنے لیے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ بایزید نے آٹھ سال تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا اور اس دوران اس نے کئی بادشاہوں کے عروج وزوال کے فیصلے کیے۔ اور سب سے خراج وصول کیا، بایزید کی قوت وسطوت دیکھ کر اٹلی، جرمنی، فرانس، ہنگری، بلقان کے حکمرانوں نے پاپائے روم کے زیر سایہ بقا کیلئے عظیم لشکر تیار کیا۔ محمدی کچھار کے شیر مرد بایزید نے ۲۵ ستمبر ۱۳۹۵ء کو ان کا راستہ روک لیا پھر

نکوپولس کے میدان کو اتحادیوں کا قبرستان بنا دیا، اس لڑائی میں ہزاروں عیسائی مارے گئے، سینکڑوں شہزادے ہزاروں امیر کبیر قیدی بنے، اس لڑائی میں سلطان کا جلال شاہانہ دیدنی تھا۔ اس نے عیسائی فتنہ پردازوں سے فدیہ وصول کیا اور آئندہ اس کے مقابلے میں نہ آنے کے حلف لئے۔ ابھی قسطنطنیہ کا محاصرہ جاری تھا کہ وسط ایشیا سے تیمور آندھی اور طوفان کی طرح اٹھا اور سلطنت عثمانی کی سرحدوں میں گھس آیا، تیمور کا یہ حملہ تاریخ اسلامی کا بہت بڑا المیہ ہے۔ جسمیں صلیبی سازشیں کارفرما تھیں اور دو عظیم مسلمان طاقتوں کو ٹکرا کر پاش پاش کر دینا چاہتی تھیں، بایزید یورپ سے ہٹ کر تیمور کے مقابلے میں آیا مگر تیمور جیسے طوفانی اور تجربہ کار فاتح کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔ انقرہ کے میدان میں اسے شکست اٹھانا پڑی۔ اسے پنجرے میں قید کیا گیا جس میں اسکا وصال ہوگیا۔ اس بات پر تمام مورخین متفق ہیں کہ اگر تیمور یہ تاریخی غلطی نہ کرتا تو یقیناً بایزید یلدرم کی بدولت یورپ کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ کہتے ہیں کہ اپنی اس غلطی کا تیمور کو بھی شدید احساس تھا، اس کے کفارے کیلئے اس نے ارض چین پر حملہ کیا مگر راستے میں فوت ہوگیا۔

تیمور کے ہولناک طوفان نے سلطنت عثمانی کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ بایزید کے بعد اس کے بیٹے محمد اول نے بکھری ہوئی حکومت کو یکجان کیا اس نے پہلے ملک میں امن و امان بحال کیا، دشمن طاقتوں سے نہایت دانشمندی سے معاہدے کر کے جنگی تیاری کا وقت نکالا، اس نے عثمانی حکومت کی گرتی ہوئی دیوار کو بہت سہارا دیا، مگر ۱۴۲۱ء میں اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد مراد ثانی منظر عام پر آیا اور خوب آیا، وہ مشکلات میں گھرا ہوا تھا مگر با حوصلہ تھا، بہادر تھا۔ یورپی طاقتیں ترکوں سے گن گن کر بدلے لے رہی تھیں۔ ہنگری، سربیا اور بوسینا نے متحد ہو کر حملہ کیا تو اسے مجبوراً دس سال کیلئے صلح کرنا پڑی، یہ بہت نازک وقت تھا۔ یورپیوں نے معاہدے توڑ دیئے تو اسے ان کے مقابلے میں ایک بار پھر سر پہ کفن باندھ

کر نکلنا پڑا، وہ خود اپنی فوجوں کی کمان کرتا تھا۔ اس نے اتحادیوں کو قوصوہ کے میدان میں شکست دی جہاں مراد اول نے پچاس سال پہلے ان کو تباہ کیا تھا۔ مراد ثانی کے بعد ۱۴۱۵ کو سلطان محمد فاتح ۲۱ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا تو ترکی اقتدار کا سورج اوجِ ثریا کو شرمانے لگا۔ سلطان محمد فاتح کی ذات گرامی تاریخ اسلام کا عظیم سرمایہ ہے۔ سلطان نے ۱۴۶۳ء میں قسطنطنیہ کو نہایت عقلمندی اور بہادری سے فتح کیا اور صدیوں پہ پھیلے ہوئے اس خواب کی تعبیر پیش کی۔ سلطان علم و فضل کے ساتھ جنگی معاملات میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ اس نے قسطنطنیہ کو دارالحکومت بنا کر یورپ و ایشیا کے وہ علاقے حاصل کئے جو تیموری طوفان کے بعد اس کے آبا کے ہاتھوں سے نکل چکے ، سلطان بہت امن پسند اور رحم دل تھا۔ اس نے مفتوحہ علاقوں کے ساتھ نہایت ہمدردی اور عفو درگزر کا مظاہرہ کیا، لوگوں کو امان عام دی، غیر مسلموں کی مذہبی آزادی پر کوئی حملہ نہ کیا۔ اس کے دور میں سب خوشحال ، سلطان نے ترکوں کی بحری طاقت کو بہت فروغ دیا، پاپائے روم نے اسکا بحری تسلط ختم کرنے کیلئے ہنگری اور وینس کے مسیحوں کو اکسایا کہ سلطان پر حملہ کریں، انہوں نے حملہ کیا مگر ناکام ہوئے۔ انتقاماً سلطان نے ڈاشیا اور کروشیا پر حملہ کر دیا۔ اور ۱۴۷۰ء میں وینس سے ینگرو پارٹ کا علاقہ حاصل کر لیا اہل وینس نے ایرانیوں سے مدد طلب کی، ایرانی مشرقی جانب سے حملہ آور ہوئے مگر سلطان کی تلوار نے ارزنجان کے مقام پر انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔ اگلے ہی سال ۱۴۸۰ء میں اس نے اٹلی کا شہر ٹرانٹو فتح کر لیا۔ اسی سال جزیرہ روڈس پر حملہ کیا، مگر زندگی نے وفا نہ کی اور یہ عظیم مسلمان حکمران تیس سال تک اپنے جاہ و جلال کی دھاک بٹھا کر چل بسا۔

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

یہ حقیقت ہے کہ سلطان فاتح نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھی اور اسکے

اولوالعزم جانشینوں نے ایک بار پھر اسلام کا لوہا منوایا۔ بایزید یلدرم اسلام کے ساتھ مخلص تھا، وقتی طور پر اسے شکست ہوئی مگر اس کی نسل میں ایسے تاریخ ساز لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کو زندہ رکھا۔ جبکہ تیمور کو صرف کشور کشائی سے مطلب تھا۔ اس کے بعد اسکا کوئی جانشین بھی ایسا نہ ہوا۔ جو اس کے نام کو زندہ رکھتا، یہ تاریخ کے عبرتناک پہلو ہیں، کاش ہمارے مانزوان پر نظر رکھیں۔

سلطان فاتح کے بعد اسکا ہوشمند بیٹا بایزید ثانی ۱۴۸۱ تا ۱۵۱۲ء برسر اقتدار رہا، اس کے دور میں ، زگونیا اور موریا کے علاقے بھی عظیم عثمانی سلطنت میں شامل ہو گئے، اس کے بعد اسکا عظیم اور باجروت زند سلیم اول تخت نشین ہوا۔ سلیم کا دور ترکوں کی بحری و بری قوت کے عروج کا دور ہے۔ اسے ”سلیم یاوز بھی کہتے ہیں، جسکا معنی ہے ہیبت ناک یا تیز اج، سلیم نے ترکی سلطنت کو ایران، شام اور مصر تک پھیلا دیا، اس نے خاندانِ صفویہ کو چالدرن کے مقام پر شکست دے کر تبریز پر قبضہ کیا۔ مشرقی اناطولیہ، آذربائیجان، کردستان فتح کیے، ۱۵۱۶ء میں اس نے مرج دابق کے مقام پر آخری مملوک حکمران قانصوہ کو شکست دے کر شام کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ۱۵۱۷ء میں مصر کو فتح کیا۔ شریف مکہ نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی۔ یمن بھی مطیع ہو گیا۔ اب اس نے خادم الحرمین کے ساتھ ساتھ خلیفہ اسلام کا لقب بھی اختیار کیا۔ سلطان سلیم نے اپنے آٹھ سالہ دور میں ؛ اروں میلوں پر پھیلے ہوئے علاقوں میں اسلام کی ہیبت طاری کر دی۔ اقبال نے اپنے ایک نعتیہ شعر میں اس کے جلال کو حضور پیغمبر اسلام ﷺ کے جلال کا مظہر اردیا ہے، کہتے ہیں

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود

فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

۱۵۲۰ء میں اسکا بیٹا سلیمان اعظم اسکا جانشین ہوا۔ اسے دولت عثمانیہ کا عظیم ترین

حکمران تصور کیا جاتا ہے۔ ترک اسے سلیمان قانونی بھی کہتے ہیں۔ اس نے اپنی حکومت کی سرحدیں مغرب میں الجزائر اور شمال میں مری آنا تک پہنچا دیں۔ مصر کو مکمل فتح کیا۔ مالٹا اور ہسپانیہ کے بحری قزاقوں کو ختم کیا۔ سلیمان کے بحری کمانڈر خیرالدین باربروسہ کا نام بہت مشہور ہے، اسکی فتوحات میں یہ عظیم سالار بنیادی کردار کا حامل ہے۔ سلیمان نے بہت سے علاقے اپنی فراست و ذہانت سے بغیر جنگ کے حاصل کر لیئے۔ وہ تعلیم یافتہ انسان تھا۔ روزانہ کے واقعات کی ڈائری خود مرتب کرتا تھا۔ اس نے علم و ادب کی بہت آبیاری کی۔ مسجدیں، مدرسے، کالج، ہسپتال، نہریں، پُل تعمیر کیے، زراعت کو ترقی دی۔ انصاف، آزادی اور مساوات کے قانون لاگو کیے۔ اس کی دانشمندی، شرافت و لیاقت، اخلاق و کردار اور انسان دوستی کی وجہ سے تمام حکمران اسکا احترام کرتے تھے۔ وہ واقعی سلیمان اعظم تھا۔ بعد ازاں ترکی اقتدار کا سورج نصف النہار سے زوال کے دھندلکوں کی طرف بڑھنے لگا۔ سلیمان اعظم کے جانشین اتنے کامیاب حکمران ثابت نہ ہوئے، اسکا بیٹا سلیم ثانی عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ اس نے کئی علاقے کھو دیئے، کئی حاصل کیے، پھر زوال کی پرچھائیوں میں خاصا عرصہ بیت گیا۔ ترکوں کی مشہور فوج 'ینی چری سلاطین کیلئے وبال جان بن گئی۔ صرف مراد رابع نے چراغ سحری کی طرح پھڑ پھڑانے کی کوشش کی اور چودہ سال تک اچھی حکومت کی، مگر زوال نے ترکوں کا پیچھا نہ چھوڑا۔

آل عثمان کا طویل دور حکومت اسلام کی سربلندی، عظمت و وقار کا دور تھا۔ جس نے یورپ میں مسلمانوں کی تعلیمات و فیوضات کے اثر چھوڑے۔ عثمانی حکومت کم و بیش پونے چھ برس تک قائم رہی۔ اس دوران ایک سے بڑھ کر ایک قابل اور حوصلہ مند حکمران آتا رہا۔ ترک صحیح العقیدہ مسلمان تھے، مذہب کا ازحد احترام کرتے تھے۔ مذہبی شخصیتوں کا بہت ادب کرتے تھے۔ حکومت کا سب سے باعزت عہدہ شیخ الاسلام یا مفتی اعظم کا ہوتا

تھا۔ ترکی سلطنت میں تصوف کو بھی بہت عروج نصیب ہوا بالخصوص نقشبندی سلسلہ کے فیوضات کو عام پذیرائی ملی۔ ترک اسلام کے اصول رواداری کے سے پابند تھے، انہوں نے ازلی دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے ہزاروں یہودی تارکین وطن کو نہایت فراخدلی سے پناہ دی، عیسائی عوام کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، رعایا کے ساتھ مروت و محبت کا انداز اپنایا۔ عثمانی قانون کے نفاذ میں عدل و انصاف کے علمبردار تھے۔ وہ اپنے دور زوال میں بھی اٹھارویں صدی تک شریعت کے پابند رہے، عثمانی مطلق العنان تھے مگر ان کے اقتدار میں مشاورت کی روح شامل تھی، وہ منکسر المزاج تھے، وہ رعایا کی ذاتی زندگی پر ہرگز مسلط نہ ہوئے، وہ خود افواج کی کمان کرتے اور سپاہیوں کے شانہ بشانہ تلوار کے جوہر دکھاتے تھے، انہوں نے کبھی یورپیوں کی طرح وحشت و بربریت کا انداز نہ اپنایا۔ ناحق قتل و غارت کی مثال ان کی تاریخ سے ناپید ہے۔ عثمانیوں کا زیادہ وقت فتوحات میں گزرا، تاہم انہوں نے علوم وفنون کی سرپرستی بھی کی۔ سلیم و سلیمان خود اعلیٰ درجہ کے شاعر اور عظیم مقرر تھے۔ انہوں نے ترک ہوتے ہوئے عربی زبان کو ترجیح دی۔ ترک بہت وسیع القلب تھے۔ ایک شاعر یحییٰ نے سلیمان کے مقابلے میں اسکے بھائی بایزید کا ساتھ دیا تھا مگر سلیمان نے اس کو بہت بڑی جاگیر سے نوازا، ان کے دور میں جغرافیہ، اخلاقیات اور شعروسخن پر بلند پایہ کتابیں رقم ہوئیں جنہیں یونیورسٹیوں میں نصاب کا درجہ حاصل ہوا۔ ترکی معاشرہ ہزاروں میلوں پر مشتمل وسیع و عریض علاقوں پر پھیلا ہوا تھا جسمیں عیسائی رعایا کی غالب اکثریت تھی، ان کے دور میں اسلام اپنی فطری تعلیمات کی وجہ سے خوب پھیلا۔ یہاں ہم یہ ضرور لکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام جس نے عیسائیوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی بھی حفاظت کی تھی، عثمانیوں کے دور زوال میں عیسائیوں کے ظلم وستم کا نشانہ بن گیا، اس سے اسلام کی اعلیٰ ظرفی اور عیسائیت کی کینہ پروری روز روشن کی طرح واضح ہے، ترک سادگی

پسند تھے۔ خوش اخلاق اور مہمان نواز تھے، اہل تسنن تھے۔

(۱۱)

سامانی حکومت کے زوال کے بعد سلطنت اسلامی میں غزنوی حکومت نے اپنا سکہ جمایا۔ اس کی ترقی کا باعث الپتگین تھا وہ سامانی عہد کا سپہ سالار تھا۔ اس کے بعد اسکا غلام اور داماد سبکتگین تخت نشین ہوا جس نے باقاعدہ غزنی خاندان کی داغ بیل ڈالی۔ حدود ملک کی توسیع کیلیے اس نے راجہ جے پال کو شکست دی اور ہندوستان میں پشاور تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ اس کے بعد اسکے جواں ہمت، فوزمند اور بت شکن بیٹے محمود غزنوی نے سامانیہ وصفاریہ حکومتوں کے تمام علاقے فتح کیے، اور سور ماراجوں کو شکستوں سے دوچار کیا، خلیفہ بغداد نے اسے امین الملت کا خطاب دیا۔ سلطان محمود اسلام کا عظیم سپاہی تھا جس نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور عظمت ووقار میں اضافہ کیا۔ وہ بزرگان دین کا عقیدت مند تھا، حضور پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ اسے قلبی لگاؤ تھا۔ اس نے توحید ورسالت کی تعلیم عام کرنے کیلئے کفر وشرک کے سینکڑوں بتکدے مسمار کر دیئے۔ ہندوستان کا سومنات اسکی ضرب قہاری کے سامنے دو پل نہ ٹھہر سکا۔ تاریخ اسکی عظمت کو سلام پیش کرتی ہے۔ محمود نے غزنی میں علم وادب کے خزانے لٹائے، فردوسی کا شاہنامہ اس کے عہد کی یادگار ہے۔ اطراف واکناف کے علماء و شعراء اس کے دربار میں آ کر قیام پذیر ہوئے، ابوالفضل بیہقی اور ابوریحان البیرونی ان میں سربرآوردہ ہیں، اس نے ۹۹۷ء تا ۱۰۳۰ حکومت کی۔ اس کے تاریخ ساز حملوں نے ہندوستان میں بزرگان دین کی آمد کا راستہ بھی کھول دیا جن کی برکت سے مردہ دلوں کو حیات نصیب ہوئی۔

(۱۲)

سلطان محمود غزنوی کے جانشین نااہل ثابت ہوئے مگر ان کی کمی سلطان شہاب الدین غوری نے پوری کردی۔ سلطان غوری نے ہندوستان میں باقاعدہ حکومت قائم کر کے اپنی خداداد فراست کا ثبوت دیا۔ اور فتوحات اسلامی زیادہ مفید اور موثر ثابت ہوئیں۔ شہاب الدین غوری بہت بہادر اور جانباز سپاہی تھا۔ اس کے بھائی غیاث الدین غوری نے ۱۱۷۳ء میں غزنی پر قبضہ کر کے اسے حکمران بنادیا۔ شہاب نے اپنے قدم مضبوط کر کے ہندوستان پر کیا اور ۱۱۷۵ء میں ملتان فتح کرلیا۔ تین سال بعد گجرات پر آور ہوا مگر شکست کھائی۔ اس شکست نے اس کے ارادوں کو مہمیز لگائی اور وہ نئے عزم و ولولہ کے ساتھ افق ہند پہ نمودار ہوا۔ اس نے پنجاب و سندھ کے علاقے فتح کیے۔ ۱۱۹۱ء میں راجپوت پرتھوی راج سے مقابلہ ہوا مگر شکست کھائی۔ اس لڑائی میں سلطان شدید زخمی ہوگیا۔ لیکن اگلے ہی سال اس نے پرتھوی راج سے بھرپور بدلہ لیا۔ پرتھوی راج میدان جنگ میں مارا گیا۔ اس طرح اس نے اجمیر اور دہلی پر قبضہ کر کے راجپوتوں کی حکومت ختم کردی۔۔ پھر ۱۱۹۴ء میں قنوج اور بنارس فتح کرلیئے۔ اس نے دہلی میں اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اپنا نائب مقرر کیا جس نے تمام شمالی ہندوستان پر اسلام کو غالب کردیا۔ یہاں سے سلاطین دہلی کا طویل دور شروع ہوتا ہے، جس میں صدیوں تک مسلمان حکمرانی کرتے رہے، سلطان غوری بلند کردار منصف مزاج اور اسلام کا زبردست محافظ تھا، اسکے تربیت یافتہ سلطان ایبک نے فتوحات میں اہم کردار ادا کیا اور ہندوستان میں خاندان غلاماں کی بنیاد رکھی۔ اسلام کا اعجاز دیکھئے کہ یہ غلاموں کو بھی جہانگیری و جہانبانی کے منصب عطا فرماتا ہے۔ سلطان ایبک نے ملک میں امن و امان قائم کیا۔ اسکا سلوک ہندو رعایا کے ساتھ بھی بہت اچھا تھا، وہ انصاف پسند، دریادل اور بہادر بادشاہ تھا۔ اس نے دہلی میں قطب مینار اور مسجد

قوت الاسلام تعمیر کی، ایبک کے بعد اس کے غلام التمش نے حکومت سنبھالی اور باغی جرنیلوں کو شکست دے کر عظمت رفتہ کو بحال کیا۔ اسکی قوت دیکھ کر عباسی خلیفہ مستنصر نے اسے سلطان اعظم کا لقب دیا۔ اس کے دور میں چنگیز خانی لشکر سرحد ہندوستان تک آ گئے۔ مگر آگے نہ آئے اور ہندوستان فتنہ تاتار سے بال بال بچ گیا۔ ہو سکتا ہے اس میں التمش کا رعب و دبدبہ کارفرما ہو کہ تاتاری آگے آنے کی جرات نہ کر سکے، وہ بہت مدبر بادشاہ تھا۔ اسکی حکمت عملی نے ہندوستان میں اسلام کی نوخیز حکومت کو مستحکم کرنے میں اہم ترین کردار ادا کیا۔ وہ آخری دم تک لڑائیوں میں مصروف رہا پھر بھی اس نے علوم و فنون کی ترقی میں بہت دلچسپی لی۔

خاندان غلاماں میں غیاث الدین بلبن کا دور بھی بہت سنہری دور ہے۔ اس کے رعب و داب کا شہرہ وسط ایشیا کی ریاستوں تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ بہت اصول پسند اور سخت گیر حکمران تھا۔ اس نے باغیوں اور دشمنوں کو سختی سے کچل دیا۔ اس نے مغلوں، راجپوتوں کے حملے ناکام بنائے اور ملک کے تحفظ کیلئے شاندار قلعے تعمیر کیے۔ اس نے امرا کی طاقت کم کر دی۔ بڑے سے بڑا آدمی بھی جرم کرتا تو اس کے عدل و انصاف کی وجہ سے ضرور سزایاب ہوتا۔ وہ اپنے زبردست جاسوسی نظام کی وجہ سے وسیع مملکت کے تمام واقعات سے آگاہ رہتا تھا، اس نے ملک سے شراب نوشی، عیش پسندی اور بد کا سرے سے خاتمہ کر دیا۔ اس کے قوانین کی وجہ سے کوئی شخص اپنے نوکر اور غلام پر بھی ناجائز سختی نہ کر سکتا تھا۔ اس کے جلال کو دیکھ کر کئی بادشاہ مغلوں سے بچ کر اس کے ہاں پناہ گزین ہوئے۔ وہ بہت متین الطبع تھا۔ دربار میں نہ خود ہنستا نہ دوسروں کو ہنسنے کی جرات تھی۔

(۱۳)

سلاطین دہلی میں تغلق خاندان کے عظیم بادشاہ فیروز شاہ تغلق نے ۱۳۵۱ تا ۱۳۸۸ء

بہت اچھی حکومت کی۔ وہ خود اسلام کا پابند تھا نہایت رحمدل اور انصاف پرور تھا۔ اس نے رفاہ عامہ کی طرف خصوصی توجہ دی۔ اس کا دور امن اور خوشحالی کا دور کہلاتا ہے۔ اس نے محمد تغلق کے ستائے ہوئے لوگوں کی سرکاری سطح پر مدد کی۔ سخت سزاؤں کو نرم کیا، ناجائز ٹیکس بند کیے۔ شریعت کے قانون نافذ کیے، اس نے ہزاروں غلاموں کی تربیت کر کے معاشرے کا مفید فرد بنایا۔ تعلیم عام کرنے کیلئے سکول اور کالج تعمیر کیے علماء اور طلباء کے وظائف مقرر کیے۔ غریبوں کیلئے دیوان الخیرات قائم کیا ہسپتال قائم کیے جہاں عوام کو مفت علاج کی سہولت میسر تھی اس نے ۸۴۵ عمارتیں بنوائیں جن میں مسجدیں، مدرسے، شفاخانے، سرائیں، حمام اور خوبصورت باغات شامل ہیں۔ اس نے فیروز آباد کا مشہور شہر آباد کیا۔ اس کے علاوہ حصار فیروزہ، فتح آباد اور جون پور کے شہر بنائے۔ اس کے دور میں عوام میں سکون کی لہر دوڑ گئی۔

سلاطین دہلی میں اکثر پابند شریعت تھے، اگرچہ مطلق العنان تھے۔ مگر قوانین کا از حد احترام کرتے تھے۔ اکثر بادشاہ نہایت رحم دل، سخی، عادل، اور اعلیٰ ظرف تھے، عوام کے حقوق کے نگہبان تھے، خلیفہ بغداد کو دنیائے اسلام کا امیر تصور کرتے تھے، اور خطبے میں اس کا نام شامل کرتے تھے۔ سلطان ناصر الدین نے شاہی خزانے کو عوام کی امانت قرار دیا اور خود اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے اپنے اہل خانہ کا پیٹ پالا۔ سلاطین دہلی غلام رکھتے تھے مگر ان کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال کرتے، نچانچہ بہت سے غلام بہت اونچے عہدوں پر فائز تھے، سلاطین دہلی کی اصلاحات ملک میں انقلاب برپا کر دیتی تھیں۔ دیوان وزارت، دیوان انشاء، دیوان برید دیوان قضا، دیوان عرض مشہور محکمے تھے جن کے ملازمین وقت اور کام کے بہت پابند تھے، غفلت پر سزا ملتی تھی، سلاطین روادار تھے، غیر مسلموں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ ہر شہر میں قاضی مقرر تھے جو قانون شرع کے مطابق فیصلہ دیتے تھے۔

سلاطین دہلی کی غالب تعداد نے بہترین حکومت کی۔ کچھ بادشاہ بے راہ رو اور عشرت پسند بھی ہوئے مگر ان کو بہت جلد فارغ ہونا پڑا۔

قابل بادشاہ تا حیات حکمران رہتا اور عوام بھی اس کے ساتھ خوش رہتے بلکہ اس سے محبت کرتے تھے، انہوں نے فنون لطیفہ میں خاصی دلچسپی لی، خوبصورت عمارات آج بھی ان کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ وہ مذہب کا بہت احترام کرتے تھے۔ مذہبی معاملات میں ہرگز مخل نہ ہوتے، ہاں اگر اختلاف رونما ہوتا تو مصلحت آمیز مداخلت کرتے، حنفی المسلک تھے، ان کے دور میں تمام ہندوستان میں مسلمان حنفی تھے نظام حکومت کے جس حصے میں انہوں نے مذہبی اثرات چھوڑے وہ عدل و انصاف کا حصہ ہے۔ وہ احتساب کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ وہ تمام صوفیہ کرام کے ازحد ت مند تھے۔ ان کے دور میں بزرگوں نے سرعام دین محبت کی تبلیغ کی۔ اور لوگوں کی اخلاقی اصلاح فرمائی۔ خواجہ اجمیری، بختیار کاکی، خواجہ فرید، بہاؤالدین زکریا، خواجہ نظام الدین علیہم الرحمۃ، جیسے عظیم بزرگوں کا ان کے ساتھ رابطہ قائم تھا۔

(۱۴)

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں خاندان مغلیہ کی حشمت و سطوت ہر دل پر نقش ہے۔ اس خاندان کی بنیاد ۱۵۲۶ء میں ظہیرالدین بابر نے رکھی۔ بابر کی رگوں میں چنگیز خان اور امیر تیمور کا خون گردش کرتا تھا اس لیے وہ بلا کا بہادر اور جفاکش انسان تھا۔ پہلے تو بابر نے اپنے آبائی علاقے میں بہت محنت کی اور سردار شیبانی خان اور عبیداللہ خان جیسے ازبک سپہ سالاروں کو شکست دی نیز سمرقند اور قندہار کے علاقے فتح کیے۔ ان دنوں ہندوستان میں

ابراہیم لودھی کی حکومت تھی جس سے عوام و خواص سخت نالاں تھے ۱۵۲۴ء میں پنجاب کے حاکم دولت خان نے اسے برصغیر پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ چنانچہ وہ اپنی بہادر فوج کو لے کر لاہور پہنچ گیا۔ دیپالپور کی مشہور چھاؤنی کو اجاڑا جس سے پنجاب مکمل طور پر اس کے ہاتھ آ گیا۔ اس کے حوصلے جوان تھے، بالاخر اس نے پانی پت کے میدان میں ڈھیرے ڈال دیئے اور ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء کو عصر کے وقت اسے سلطان لودھی پر فتح نصیب ہوئی۔ اس فتح کے بعد بابر نے دہلی، آگرہ اور گوالیار پر قبضہ کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ بادشاہت کے اعلان کے فوراً بعد اسے رانا سانگا کی ۸۰ ہزار راجپوتی فوج کے ساتھ جنگ لڑنی پڑی۔ مغل صرف ۱۰ ہزار تھے اس مقام پر بابر نے تاریخی تقریر کی جس نے اس کے مجاہدوں کا خون گرم کر دیا۔ اس نے شراب نوشی سے بھی توبہ کی۔ اس لڑائی میں مغلوں نے دشمن کے لشکر جرار کو کاٹ کر رکھ دیا۔ ۱۵۲۹ء میں بابر نے بنگال، بہار میں افغانوں کو شکست دے کر پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ ۱۵۳۰ء میں اس کی وفات ہوئی۔ بابر بہت عالی حوصلہ، رحم دل، فیاض اور دلیر تھا، بابر کا معنی ہی "ببر شیر" ہے جو اس کی شجاعت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ حسن اخلاق کا مجسمہ تھا۔ اس پر عزم فاتح نے ہندوستان کو ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہان، اورنگ زیب جیسے بلند پایہ اور کامیاب حکمران دیئے۔

ہمایوں کی حکومت کے دوران بہار سے شیر شاہ سوری کا ظہور ہوا، شیر شاہ کا اصل نام فرید خان تھا۔ وہ ۱۵۴۰ء میں ۵۴ سال کی عمر میں بادشاہ بنا۔ اس نے ہمایوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے بہت سے راجوں کو بھی شکست دی۔ اس نے اپنے پانچ سالہ دور حکومت میں ہندوستان میں شاندار اصلاحات نافذ کیں، صوبے تقسیم کئے کہ ان کا انتظام بہتر بنایا جا سکے، اس نے محکمہ پولیس کو منظم کیا جس کی وجہ سے ملک میں چوری اور راہزنی کی وارداتیں ختم ہو گئیں، اس نے پندرہ سو میل لمبی جرنیلی سڑک تعمیر کروائی۔ اس کے علاوہ اور

بھی سڑکیں بنوائیں جن کی وجہ سے شہروں میں آمدورفت کا نظام بہت بہتر ہوا۔ زراعت، ڈاک اور رفاہ عامہ پر خصوصی توجہ دی۔ مدرسے، ہسپتال اور لنگر خانے تعمیر کیے، عمارات بنوائیں، سہسرام میں اپنا مقبرہ بنوایا جو ہند کی عظیم عمارات میں شامل ہے۔ شیر شاہ بہت قابل، دانشور، رعایا پرور، عالی ہمت، منتظم بہادر، متشرع بادشاہ تھا۔ اسے اکبر اعظم کا پیشرو کہا جاتا ہے کہ اکبر اعظم نے اسی کی اصلاحات سے استفادہ کیا۔ شیر شاہ کی وفات کے بعد اس کے جانشین مغلوں کا مقابلہ نہ کر سکے، ہمایوں کے بیٹے جلال الدین اکبر نے سوری شہزادوں کو مار بھگایا اور پھر فتوحات حاصل کرتا ہوا ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ اکبر کا اتالیق بیرم خان اس کا دست راست تھا۔ اکبر نے بڑی سیاست سے حکومت کی۔ اس نے ہندو راجاؤں کی راج کماریوں سے شادیاں کیں اور ہندوؤں کو اعلیٰ منصب عطا کیے۔ اکبر کا آخری دور اسلام کے حوالے سے بہت تباہ کن ثابت ہوا جس نے ہندوستان سے اسلامی شعار کو ختم کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوا جسے حضرت مجدد الف ثانی جیسے بزرگوں کی صحبت بابرکت نے سیدھا کر لیا اور ہندوستان میں اسلام نافذ ہوا۔ عدل جہانگیری ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے، جہانگیر بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح بہت بہادر تھا۔ اس نے قلعہ کانگڑہ کو فتح کیا جسے اکبر بھی فتح نہ کر سکا تھا۔ وہ بہت صاف گو عادل، روشن خیال، نرم دل بادشاہ تھا۔ ہندوستان میں نفاذ شریعت کا کام اس کا کارنامہ ہے۔ پہلے پہل بلا کا شراب نوش تھا، بعض روایات کے مطابق اس نے آخری دور میں توبہ کر لی تھی۔ وہ مصور، شاعر اور زبردست نثر نگار تھا۔ اس نے تزک جہانگیری لکھی جو ادب میں مشہور ہوئی۔ وہ ہمہ وقت فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف رہتا تھا اور تمیز رنگ و خون سے قطعاً بے نیاز تھا۔ ۱۶۲۷ء میں شہاب الدین شاہ جہان اپنے بھائیوں پر فتح حاصل کر کے تخت دہلی کا وارث بنا اور مغلیہ اقتدار کو عروج پر لے گیا، اس نے عالی شان عمارتیں بنائیں، باغات

لگوائے، شہر آباد کیے، مسجدیں اور قلعے تعمیر کیئے۔ شاہ جہان بہت اچھا حکمران تھا، اس کے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب تخت حکومت پر فائز ہوا جو اپنی دانشمندی، اعلیٰ ظرفی، بہادری اور اسلام پسندی کی وجہ سے مشہور ہے۔ اسے اسلام کا مجدد بھی کہا جاتا ہے۔ اورنگ زیب نے ۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء حکومت کی۔ عالمگیر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے خانوادہ سے بہت متاثر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے سنیت وحنفیت کو بہت فروغ دیا، فتاویٰ عالمگیری اسکا عظیم کارنامہ ہے۔ وہ شرعی قوانین کے نفاذ میں معمولی لچک بھی برداشت نہ کرتا تھا۔ اس نے غیر شرعی ٹیکس منسوخ کر دیے، کفار پر جزیہ لازم قرار دیا۔ اس نے مغلوں کی بیجا رواداری کو ختم کر کے اسلام کی بالادستی قائم کی۔ اس لیے اسے ہندو مورخین ''مذہبی دیوانہ'' کہتے ہیں۔ وہ بہت فرض شناس تھا۔ اس نے خلفائے راشدین کی مانند سرکاری خزانے کو عوام کی ملکیت قرار دیا اور خود درویشانہ زندگی بسر کی۔ وہ ٹھنڈے دل و دماغ والا انسان۔ انکسار پسند، علما کا قدردان، بہت سی زبانوں کا ماہر اور علوم شریعہ کا زبردست عالم و فاضل تھا، وہ بہت حاضر جواب، اور نڈر تھا، اس نے مغل اقتدار کو اس عروج پر پہنچا دیا کہ اس کے بعد اس کے وارث اس معیار کو قائم نہ رکھ سکے اور زوال شروع ہو گیا، علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ برصغیر کے بادشاہوں میں اورنگ زیب کی کوئی مثال نہیں اور صوفیوں میں مجدد الف ثانی کا کوئی جواب نہیں جب کہ شاعروں میں بیدل کا کوئی ثانی نہیں۔ مغلوں میں بابر، جہانگیر، شاہ جہان اور اورنگ زیب اسلام کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ یہ سب بزرگان دین کے عقیدت مند اور علمائے اسلام کے نیاز مند تھے۔ ان طبقوں کو اسلام کی اشاعت کی کھلی اجازت تھی۔ جس سے متاثر ہو کر لاکھوں ہندو مسلمان ہوئے۔ لوگ معاشرتی، سماجی اور معاشی طور پر خوشحال تھے، اشیاء کی قیمتیں بہت سستی تھیں۔ ان حکمرانوں کے دور میں نچلا طبقہ بھی مسرت کی زندگی بسر کرتا تھا۔ مسلمان عورتوں میں پردے کا رواج تھا۔ یہ حکمران مذہب کا پورا خیال

رکھتے تھے۔ مغلیہ عہد میں مجدد الف ثانی، خواجہ محمد معصوم، خواجہ سیف الدین، علامہ عبدالحق محدث دہلوی، میر واحد بلگرامی، شاہ عبدالرحیم دہلوی جیسے عظیم افراد پیدا ہوئے جن کی تعلیمات اسلام کا سرمایہ ہیں۔

⁂

اسلام کا معاشرتی انقلاب

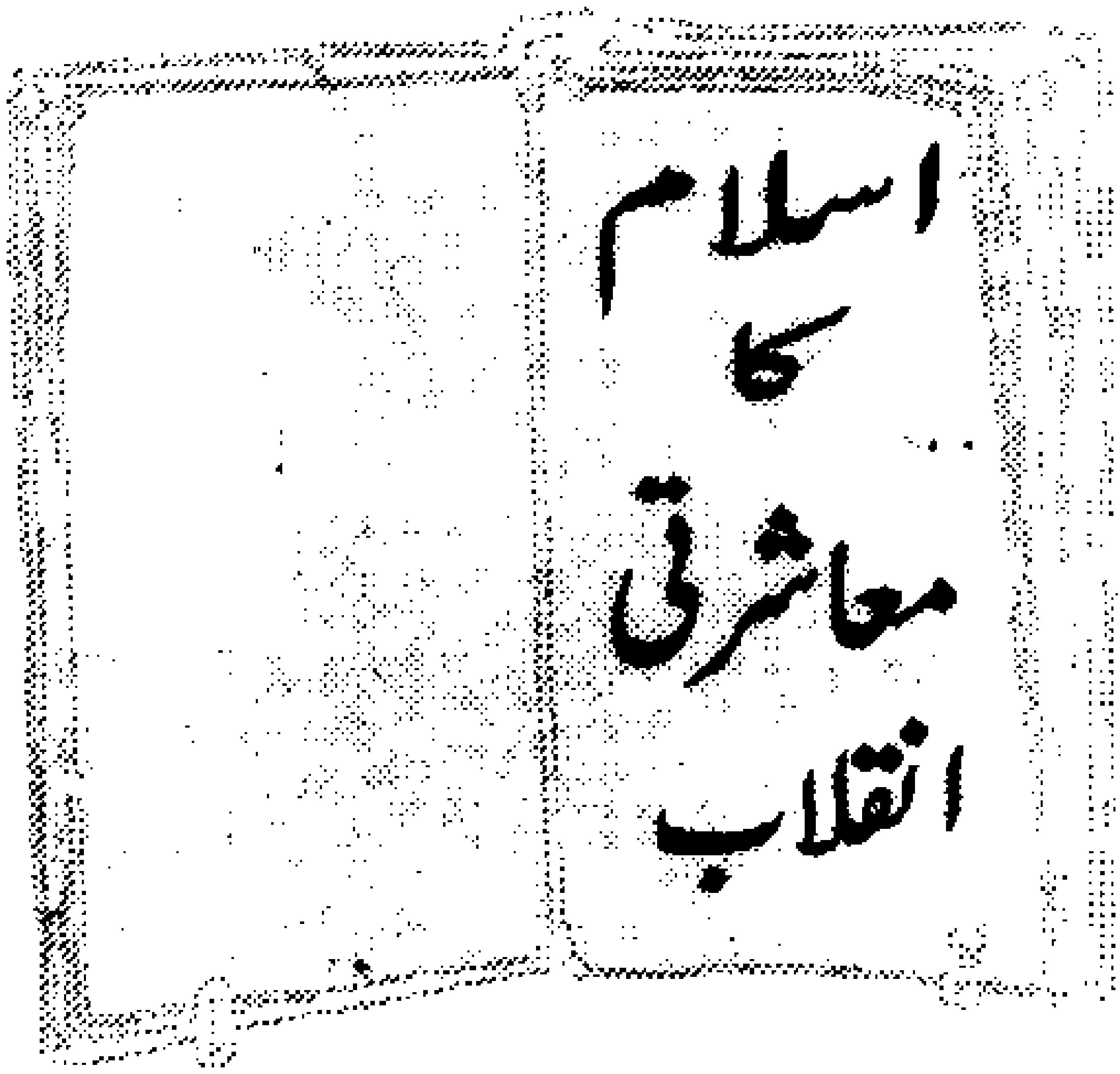

آغاز آدمیت سے لیکر آج تک اہل کفر کی تاریخ کا طائرانہ نظر کے ساتھ بھی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ لوگ آدم کی نسل ہونے کے باوجود مقام آدمیت سے ناواقف رہتے آرہے ہیں بہت سی تہذیبیں رونما ہوئیں بہت سے مذاہب پیدا ہوئے۔ کفر اپنی اصلی حالت میں ہی برقرار رہا آج سے تقریبا چھ ہزار سال پہلے سرزمین دجلہ وفرات میں آسور اور بابل کی تہذیبیں پنپ رہی تھیں انسان جنگلوں اور غاروں کی زندگی ترک کر کے آبادیوں کی طرف مائل ہو رہا تھا پھر یہ آبادیاں بڑے بڑے شہروں کی صورت اختیار کر گئیں۔ ان تہذیبوں نے انسان کی قانون وتجارت اور تعلیم کی طرف راہنمائی کی۔ نہریں کھودیں گئیں پیداوار میں اضافہ ہوا انسان خوشحال دکھائی دینے لگا۔ مگر ان ترقیوں کے باوجود بھی انسان مٹی اور پتھروں کے بے جان بتوں کے سامنے سر تسلیم خم کرتا اور انہیں اپنا خدا تصور کرتا تھا۔ یہ شہری ریاستیں آپس میں برسرپیکار رہتی تھیں۔

اہل بابل اپنے تمام تر عروج کے ساتھ، ساتھ اخلاقی اقدار سے بالکل بے بہرہ تھے عریانی اور فحاشی بابل کا طرہ امتیاز تھی۔ یہ لوگ بہت سے دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے، مردوک ان کا سب سے بڑا دیوتا تھا اشتر عشق و محبت کا پیام رساں خیال کیا جاتا تھا ۱۲۷۵ ق م میں بابل پر آسوری غالب آ گئے۔ اور ظلم و ستم، جبر و استبداد کا طویل دور شروع ہو گیا۔ آسوریوں کو ان کی بربریت اور سفاکانہ جبلت کی وجہ سے تاریخ میں ناگہانی آفت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ دشمن کے سپاہیوں کے سر کاٹ کر ان کے مینار بناتے اور محض ذہنی سکون کی خاطر انسانیت کا قتل عام کرتے تھے۔ ہمسایہ ریاستوں کے حکمران نینوا آ کر آسوری بادشاہ کو سجدہ کرتے اور سونا چاندی بطور خراج پیش کرتے تھے سارگون دوم قابل ذکر بادشاہ ہے جس نے اسرائیلیوں کے دارالحکومت سماریہ کو فتح کیا انہیں گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ سارگون کا بیٹا سناچریب ۷۰۵ تا ۶۸۱ ق م دوسرا بڑا فاتح تھا۔

آسوری تہذیب کے خاتمے پر نیبوچادنصر نے کامدانی تہذیب کی بنیاد رکھی۔ اس تہذیب کا مشہور فاتح بخت نصر تھا جس نے فرعون مصر کو شکست دی اور شام و یمن کو تخت و تاراج کیا یہی بادشاہ ہے جس نے یہودیوں کو قید کر کے بابل میں غلامانہ زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس دور میں معاشی و معاشرتی ترقی ہوئی مگر انسان انہی بے بس بتوں کو اپنا کارساز تصور کرتا رہا۔ مردوک اور سورج دیوتا کی پوجا پاٹ ہوتی۔ سال میں ایک میلا لگتا تھا اور اسی دن حصول لذت پر کوئی پابندی نہ ہوتی تھی گناہ کا تصور ذہن سے خارج کر دیا جاتا تھا۔ (مطالعہ تاریخ ص ۳۸)

اسی دور میں حضرت دانیالؑ مبعوث ہوئے تھے اور بخت نصر آپ کو بھی یہودیوں کے ساتھ ہی اسیر کر کے لے آیا تھا۔ بخت نصر کے جانشین انتہائی ظالم اور عیاش واقع ہوئے۔ رعایا ان کے ظلم و ستم سے نالاں تھی۔ بالآخر ایران کی ابھرتی ہوئی سلطنت کے

بادشاہ سائرس نے ۵۳۸ ق م میں بابل پر قبضہ کرلیا اور یہودیوں کو واپس یروشلم بھیج دیا۔

ان کے علاوہ عبرانی تہذیب بھی قابل ذکر ہے جس کے "مشعل بردار" توحید پرست بنی اسرائیل تھے۔ اسی قوم میں اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے عظیم الشان پیغمبر مبعوث فرمائے اس قوم نے خدا تعالیٰ کے احسانات کے ساتھ جو مذاق روا رکھا تھا وہ بھی تاریخ انسانی کا بڑا شرمناک باب ہے۔ سقوط یروشلم کے بعد یہ قوم جب زیر اقتدار رہی تو ان میں تعصب اور نسل پرستی کی بیماریاں پھوٹ پڑیں۔ یہ انسان اپنے علاوہ کسی کو انسان سمجھنے کے روادار نہیں تھے۔ دیگر اقوام عالم کو از حد حقارت کی نظر سے دیکھتے اور اپنے رنگ ونسب پر تکبر کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے تعصب کی بنا پر حضرت موسیٰؑ پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے اور اپنی خواہشات کو اپنا خدا سمجھنے لگے۔ اپنی مرضی سے حلال وحرام کے قانون وضع کرتے اور تعلیمات عیسوی کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان لوگوں نے ہی حضرت عیسےؑ پر یہودیہ میں نئی بادشاہت قائم کرنے کے الزام میں رومی عدالت کے تحت مقدمہ کیا اور آپ کو صلیب پر لٹکانے کی سزا سنائی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا اس نے اپنے پیارے پیغمبر کو آسمان پر اٹھالیا اور یہودی اپنا سا منہ لیکر رہ گئے۔

اب دور حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کا تھا۔ لوگ عیسائیت کی طرف مائل تھے۔ چنانچہ ٹائی بیریس کے عہد میں پادری سینٹ پال کی کامیاب تبلیغی سرگرمیوں کے باعث عیسائیت ایشیائے کوچک سے لے کر یونان اور روم تک پھیل گئی اس مذہب کو سب سے پہلے غریب اور مفلوک الحال لوگوں نے قبول کیا۔ پھر آہستہ آہستہ قسطنطین اعظم کے دور میں یہ سرکاری مذہب قرار دیا جانے لگا۔

اسلام سے قبل عیسائیت بھی یہودیت کی طرح بگڑ چکی تھی۔ لوگ حضرت عیسیٰؑ اور سیدہ مریم سلام اللہ علیہا کی پرستش کرنے لگے تھے۔ آپ کو خدا کا بیٹا کہتے اور بہت سے مشرکا

نہ راستوں پر گامزن ہو گئے تھے۔ انجیل کو تبدیل کر دیا گیا تھا راہبوں کی کثرت اور اختلاف نے مذہب کو تماشہ بنا کر رکھ دیا تھا۔ راہبوں کی خانقاہیں عیاشی کا اڈا بن گئی تھیں۔

تاریخ عالم میں ساسانی تہذیب کو بھی ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔ ۳۲۳ ق م میں سکندر اعظم کی موت کے بعد شام اور ایران پر اس کے ایک سپہ سالار سلوکس نے تسلط جما لیا تھا۔ اس کے بعد ارشک کی سربراہی میں پارتھی خاندان برسر اقتدار آیا جس کی حکومت فرات سے لے کر ساحل سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ خاندان ۵۰۰ سال تک حکمران رہا اس خاندان سے حکومت اردشیر نے چھین لی اور ساسانی خاندان کی حکومت بحال کی۔

ساسانیوں نے ایرانیت کو فروغ دیا اور زرتشت کے مذہب کو سرکاری طور پر رائج کیا۔ اس خاندان کے بادشاہ خسرو اول ۵۳۱ء تا ۵۷۹ء نے نوشیروان عادل کے نام سے بہت شہرت حاصل کی۔ یہ دور ساسانی تاریخ کا سنہری دور تھا جس میں بہت سے علوم و فنون کو ترقی دی گئی اور ملک میں عدل و انصاف کو عام کیا گیا۔ ساسانی خاندان مطلق العنان تھا۔ عوام بے بس اور شہری حقوق سے محروم تھے۔ بادشاہ کو سجدہ کیا جاتا، آگ کی پوجا کی جاتی۔ ایرانی معاشرہ اخلاقی اعتبار سے ذلت کے قصر عمیق میں گرا ہوا تھا عورت کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ہر طرف یہ فکر عام تھی کہ دولت، زمین اور عورت کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں بلکہ وقف عام ہے۔

تاریخ عالم میں جزیرہ نمائے عرب کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ لوگ حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے تھے وقت کے بے رحم دھارے میں بہتے ہوئے یہ لوگ پیغمبرانہ تعلیمات سے بہت دور نکل آئے تھے ان کی سیاسی، مذہبی، معاشرتی، سماجی غرض زندگی کی ہر روش پر خار تھی۔ دنیا کی ہر برائی ان کے وجود میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ شرافت و نجابت کا نام تک نہ تھا۔ آخر کار قدرت نے اسی قوم پر رحم کھایا اور اپنا عظیم ترین رسول ان میں پیدا فرمایا جو بعد

میں تمام عام انسانیت کا نجات دہندہ قرار دیا گیا جس کے ہمہ گیر نظام زندگی نے کائنات کیلئے بہتری کی راہیں کھول دیں۔

ایک عالمگیر معاشرتی انقلاب

ہم نے تاریخ عالم کے کچھ گوشے اُجاگر کیے اور ان کی تہذیبوں کا ذکر کیا جنہیں کائنات کی نمائندہ ہونے کا دعویٰ تھا یہ تہذیبیں انسان کی معاشرتی زندگی میں کس طرح زہر گھولتی ہیں آپ نے مطالعہ کر لیا ہوگا اور یہ بھی جان لیا ہوگا کہ دنیا کے بڑے بڑے مفکر انسان کو اخلاقی پستیوں سے نکالنے میں ناکام رہے ہیں۔

محسن انسانیت ﷺ نے نظارہ گاہ عالم میں جلوہ گر ہو کر ایک معاشرتی انقلاب برپا کر دیا اور صدیوں سے ذات پات کی صلیب پر لٹکے ہوئے انسان کو اتارا اور اسکے سر پر **و لقد کرمنا بنی آدم** ہم نے اولاد آدم کو قابل تکریم بنایا کا تاج پہنا دیا۔

آج مغربی اقوام تحفظ انسانیت کی علمبردار ہیں مگر انکی تہذیب پڑھ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں انسانی حقوق کے احترام کا شعور ۱۲۱۵ میں پیدا ہو جب کہ کنگ جان نے میگنا کارٹا جاری کیا تھا اور وہ بھی نامکمل کیونکہ انسانی حقوق اس چارٹر میں صرف امراء، روسا کے حقوق عوام الناس پر مسلط کیے گئے تھے عوام الناس کے حقوق کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ گویا یہ ایک غریبوں اور ناداروں کے استحصال کا مہذب طریق کار تھا۔ بعد ازاں ٹام پین **(Tam pain)** نے ۱۷۹۱ء میں حقوق پر ایک مقالہ مرتب کیا۔ ۱۷۸۹ء میں انقلاب فرانس کے دوران حقوق انسانی کا منشور پاس کیا گیا۔ جو دراصل روسو کے معائدہ عمرانی کا عکس تھا۔

پھر دنیا دو عالمگیر جنگوں کی ہولناک تباہیوں کا شکار ہوئی تو ۱۹۴۱ء کے اٹلانٹک چارٹر اور واشنگٹن، ماسکو، ڈمبارٹن اوکس کے مذاکرات کے بعد ادارہ اقوام متحدہ کی بنیاد رکھی گئی یہ ادارہ

اقوام متحدہ کس بلا کا نام ہے۔ آپ جانتے ہیں مسلمانوں پر کس طرح جورواستبدد کی بجلیاں گرائی جا رہی ہیں اور یہ ادادہ بالکل چشم پوشی سے کام لے رہا ہے۔

کشمیر کے چنار سلگ رہے ہیں فلسطین کی بہاریں اُجڑ رہی ہیں بوسینا پر قیامتیں ٹوٹ رہی ہیں مگران کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی نیتجتاً ہم لکھنے پر مجبور ہیں کہ مغربی اقوام حقوق انسانیت کی کما حقہ، تربیت وتدوین میں ناکام ہو چکی ہیں

پیغمبر اسلام کا برکت آفریں نظام معاشرت ہے۔ جس نے انسان کو انسان کی قدر کا درس دیا ہے ابھی یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا تو ہمارے رسول پاک ﷺ نے انسانیت کا علم بلند فرما دیا تھا۔

حضور ﷺ نے ان لوگوں کے حقوق متعین فرمائے جن کے خون وجگر سے معاشرے کے گل وگلزار میں سرخیاں سرایت کرتی ہیں۔ اور لطف کی بات یہ کہ مغربی اقوام ترقی یافتہ ہونے کے باوجود ان کے کام ودہن کی تشنگی ختم نہیں کر سکیں۔ خود، مہر وماہ کو تسخیر پر کمر بستہ ہیں گر معاشرے کو اخلاقی پستیوں سے نہیں نکال سکتیں۔ اقبال کیا خوب کہتا ہے۔

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم وپیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع وضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

حقوق والدین:

ماہرین عمرانیات خاندان کو معاشرے کا اہم ستون قرار دیتے ہیں۔ اور خاندان

میں والدین کا مقام ایک مسلمہ حیثیت کا حامل ہے۔ موجودہ مغربی حالات کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ترقی یافتہ قومیں کس بیدروی کے ساتھ اس مقدس رشتے کا خون کر رہی ہیں۔ والدین جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تونہیں اولڈ کیمپ میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جہاں سسک سسک کر زندگی کے بے رحم لمحات بسر کر دیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے والدین کا احترام کرنا سکھایا، فرمایا:

"ان اللہ حرم علیکم عقوق الوالدین"۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی حرام فرمائی ہے (بخاری کتاب الادب)

حضور ﷺ نے عقوق الوالدین (ماں باپ کی نافرمانی) شرک کے بعد کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔ (ایضاً)

فرمایا بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین پر لعنت کرے۔ عرض کیا گیا کہ کوئی اپنے والدین پر کیسے لعنت کرتا ہے؟ فرمایا

"یسب الرجل ابا الرجل فیسب اباہ یسب امہ"۔

'آدمی دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے۔ اور وہ اس کے باپ اور ماں کو گالی دیتا' (بخاری کتاب الادب) مشکوۃ)

ایک آدمی نے عرض کیا کی میں جہاد کرنا چاہتا ہوں فرمایا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں کہا ہاں فرمایا **ففیھما فجاھد**۔ تو ان کی خدمت کر یہی تمہارا جہاد ہے۔ (ایضا)

حضورؐ نے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق والدین کو قرار دیا ہے۔ (ایضاً)

فرمایا لوگو اپنے باپ سے بیزار مت ہو۔ کیونکہ باپ سے بیزار رہونا ناشکر گزاری ہے۔ (بخاری)

قرآن پاک بھی فرماتا ہے۔

ان شکرلی ولو الدیک: میرا اور اپنے والدین شکرگزار بن۔

ایک مقام پر فرمایا:

''فلاتقل لھما اف و لاتنھر ھماو قل لھما قو لا کر یما''

توان کو اف تک نہ کہہ اور نہ ان کو ڈانٹ، ان سے ادب سے بات کر، اور فرمایا۔

'' ووصینا الانسان بو الدیه حُسنًا'' . اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے نیکی کرنے کا حکم دیا۔ یہ حضور ﷺ کی برکت ہے کہ والدین کو خاندان میں بلند مقام عطا ہوا اور انہیں خاندان کی روح رواں تسلیم کیا گیا۔ اُن کا میراث میں نمایاں حصہ داخل کیا گیا۔ ''لابو یه لکل واحد منھما السدُسُ مماترک''۔ اور اسکے والدین کیلئے ترکہ میں چھٹا حصہ ہے۔ (النساء)

مقام عورت اور اسلام

اسلام سے عورت انتہائی تفنہ جاں اور زبوں حال تھی۔ تمام تہذیبوں میں اس کو عیاشی کا سامان سمجھا گیا تھا۔ اور تو اور عیسائیوں نے بھی عورت کے حقوق ضبط کر لئے تھے۔ اور آج تک ہیں یہی وجہ ہے کہ اس عمل کا ردعمل بھی شدید ہوا اور مغرب میں آزادی نسواں کی تحریکوں نے جنم لینا شروع کر دیا اور آج مشرقی دنیا بھی ان مسائل میں الجھتی جا رہی ہے قدیم بابلی تہذیب میں ماں بہن اور بیٹی میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ کسی رشتے کا تقدس ملحوظ خاطر نہیں تھا۔ اور آج کا یورپ بھی اسی لعنت میں گرفتار ہوتا نظر آتا ہے۔ اور وہاں پر عزتیں سر عام نیلام ہوتی ہیں۔ فرنچ سینٹ کے ایک رکن موسیو فرونان دریغو نے کہا ہے:۔

خبہ گری کا پیشہ اب محض انفرادی کام نہیں رہا بلکہ اس کی ایجنسی سے عظیم مالی فوائد حاصل ہوتے ہیں ان کی وجہ سے یہ ایک تجارت اور منظم حرفہ بن گیا ہے۔ اس کی باقاعدہ منڈیاں موجود ہیں، دس سال سے کم عمر کی لڑکیوں کی زیادہ مانگ ہے۔

ڈاکٹر ایڈتھ ہوکر اپنی تصنیف (laws of sex) میں لکھتا ہے۔

نہایت مہذب اور دولت مند طبقوں میں بھی یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے کہ آٹھ برس عمر کی لڑکیاں اپنے ہم عمر لڑکوں سے عشق و محبت کے تعلقات رکھتی ہیں۔ جن کے ساتھ بعض اوقات اسلام نے عورت کے مختلف ناطوں اور رشتوں کی پہچان کرائی اور ہر رشتے کو الگ الگ عظمتیں تقسیم کیں عورت کے گوہر عفت کی حفاظت کیلئے پردے کا قانون تشکیل دیا۔ اس کے اخلاقی معاشی، تمدنی اور معاشرتی حقوق کی سرپرستی فرمائی۔ ذیل میں ہم عورت کے ان رشتوں اور حثیتوں کا ذکر کرنے ہیں جن کے برقرار رکھنے سے نظام زندگی میں ایک خوبصورت توازن پیدا ہوتا ہے۔

ماں:

یہ اس قدر تقدس مآب رشتہ ہے کہ محبوب خدا نے جنت جیسی چیز ماں کے قدموں کا صدقہ قرار دی ہے۔ ماں کی بھی کچھ حیثیتیں ہیں حقیقی ماں، سوتلی ماں، رضاعی ماں، بیوی کی ماں اہل عرب باپ کے انتقال کے بعد اپنی سوتلی ماں سے جبراً شادی کر لیتے تھے۔ اور اسے باپ کی میراث تصور کرتے تھے حضور ﷺ کی برکت سے ماں کی پاکیزہ شخصیت کے یہ پہلو انسان کے دست ہوس سے محفوظ ہوئے، قرآن نے اعلان فرمایا۔

”ولاتنکحوا ما نکح اباؤکم من النساء الا ما قد سلف ط انه کان فاحیشتهً ومقتاط وسآء سبیلا“۔

”اور نہ نکاح کرو جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا مگر جو ہو چکا ہے، بیشک یہ فعل حیا باختہ، نفرت انگیز اور بُرا تھا اس کے ساتھ ساتھ رضاعی اور بیوی کی ماں کو بھی احترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا قرآن میں واضح ہے حرام کر دی گئیں تم پر تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری بیویوں کی مائیں۔ (ملخصاً)

گویا حضور ﷺ نے آکر اس مقدس رشتے کی لاج رکھ لی ورنہ انسان کی بے باک نگاہیں اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

بہن اور بیٹی:

دور جہالت میں بہن اور بیٹی کو باعث عار سمجھا جاتا رہا ہے۔ شاعر لوگ اعلانیہ میلوں میں دوسروں کی بہنوں کا نام لے کر رومانوی کہانیاں سنایا کرتے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ ان کو زندہ رہنے کا حق بھی حاصل نہیں تھا، حضور ﷺ کی برکت سے یہ بہنیں اور بیٹیاں انسان کی دستار فضیلت قرار دی گئیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک تم پر حرام کر دیا گیا ہے بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا (بخاری شریف۔ مسلم شریف) اسلام نے میراث میں ان کا حصہ مقرر فرمایا ہے۔ حضور ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس بہت مال ہے۔ اور ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں تو کیا میں دو تہائی مال خیرات کر دوں۔ فرمایا نہیں میں نے کہا نصف فرمایا نہیں میں نے کہا تہائی فرمایا ہے تو تہائی بھی زیادہ **انک ان ترکت ولدک اغنیآء خیر من ان تترکھم عالۃ یتکففون الناس**۔ اگر تم اپنی اولاد کو مالدار چھوڑو تو یہ ان کو مفلس چھوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے آگے دست طلب دراز کرتے پھریں۔ (بخاری کتاب الفرائض)

حضرت معاذ بن جبل ؓ نے زمانہ نبوی میں فیصلہ فرمایا **النصف للابنته والنصف للاخت**: "بیٹی اور بہن کیلئے آدھا آدھا حصہ مقرر ہے۔ (کتاب الفرائض)

میراث کی مختلف صورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلام نے بہنوں اور بیٹیوں کو ان کا حق تفویض فرمایا اور انہیں معاشرے میں ایک خصوصی نوعیت کا مقام مرحمت فرمایا اس سلسلہ میں سورت النساء کا مطالعہ از حد اہم ہوگا

بیوی:

عورت کی حیثیت انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ مگر افسوسناک صورت حال یہ تھی کہ اس عظیم رشتے کو بھی پامال کیا جاتا تھا جو انسان کا قدم قدم پر ساتھ دیتا ہے۔

مذہب یہود میں عورت کو ایک مملوکہ شے سے بڑھ کر اور کچھ نہ سمجھا گیا تھا۔ اس کے حقوق مرد کی جائز و ناجائز خواہشات کی نذر ہو جاتے تھے استثناء میں مرقوم ہے کہ جب کسی کو اسیرانِ جنگ میں کوئی عورت پسند آ جائے تو وہ اُسے اپنی بیوی بنا لے۔ اس کے بعد اگر وہ چھوڑنا چاہے (یعنی وہ اچھی نہ لگے) تو اُسے گھر سے باہر نکال دے۔

اسی طرح مذہب انصاری میں طلاق سرے سے جائز ہی نہیں تھی۔ میاں بیوی کا ازدواجی ناطہ دوامی خیال کیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے یہ قانون بھی انسانی فطرت سے گریزاں تھا اور عورت کو مرد کے تحت اچھی بری زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ اس لئے جان عیسائیت کے لئے وبال بن گیا۔ موجودہ صدی کے اوائل میں عیسائی علماء نے کافی غور وخوض کے بعد عورت کو طلاق لینے کا حق دے دیا۔ ۱۹۳۳ء کے قانون میں شامل ہوا کہ اگر مرد ایک مرتبہ بھی زنا کرے تو عورت اُس سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے، یہودی افراط کا شکار تھے۔ اور عیسائی تفریط کا نتیجۃً جونہی مذہب نے طلاق کی اجازت دے دی تو کہرام سا مچ گیا عدالتوں میں تل دھرنے کو جگہ نہیں نظر آتی تھی۔ پہلے ہی روز چار ہزار ایک سو نو طلاق کی درخواستیں پیش ہوئیں۔ (زمزم لاہور ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء) ہندو مذہب میں عورت کے ساتھ انتہائی انسانیت سوز سلوک کیا جاتا تھا عورت ساری زندگی مرد کی غلام بن کر بسر کر دیتی۔ اور جب خاوند مر جاتا تو اس کے ساتھ جل مرنے کو مجبور کیا جاتا یہ رسم صدیوں سے عورت کے آشیانہ حیات پر بجلی بن کر ٹوٹتی رہی اور اس بے بس ولاچار کی چیخ وپکار پر کائنات تو سہم جاتی لیکن مذہب کے نام پر انسانیت کو لوٹنے والوں پر کوئی اثر نہ ہوتا جب حضور ﷺ کی برکتوں سے یہ علاقہ

بھی مستفیض ہوا تو اس میں سفاکانہ رسم کے خلاف آواز بلند ہوئی فرزندان توحید نے عورت کے جلتے ہوئے احساسات پر رحم کھایا اور اسے جہنم کدہ سے باہر نکال دیا۔ آج بھی بھارت کے دور دراز علاقوں میں یہ رسم جاری ہو سکتی ہے۔ مگر اسلام کے فیضان نے ہندوؤں کی اکثریت کو اس سے متنفر ضرور کر دیا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں۔ کہ ہمارے آقا نے عورت کے حقوق کو کیسے محفوظ فرمایا ہے۔ اور آپ کی برکت سے اس کو کیسے کیسے درجات اور مراعات نصیب ہوئی ہیں قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے۔

''**یا یھا النا سُ اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفسٍ وا حدۃٍو خلق امنھا زوجھا**''. ''اے لوگوں اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک اصل سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ (النساء)

یہاں معلوم ہوا کہ مرد اور عورت کی اصل ایک ہے۔ اس سے انسانی مساوات کا سبق اخذ ہوتا ہے نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح انسانیت میں مرد اللہ کی معرفت کا حقدار ہے اسی طرح عورت بھی حقدار ہے۔ معرفت کے حصول کے لائق یہ دونوں ہستیاں یکساں شمار ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: **و من یعمل من الصلحت من ذکر او انثی وھو مئو من فا ولئک ید خلون الجنتہ ولا یظلمون نقیراً**: جو نیک کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور مومن ہو تو یہی لوگ جنت کے حقدار ہیں۔ اور ان پر ظلم ذرہ برابر نہیں ہو گا (النساء)

فرمایا: ''**ایا تہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاًلتسکنو آ الیھا و جعل بینکم مو دۃًورحمۃً**''۔ ''اس اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں تا کہ ان کے پاس تم تسکین قلب محسوس کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات بھر دئے'۔ (الروم)

فرمایا:۔ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن ط‘‘۔

’’اور انہیں تکلیف نہ دو اور نہ انہیں تنگ کرو۔‘‘

فرمایا:’’وعاشروھن بالمعروف‘‘۔

’’اور ان کے ساتھ اچھی زندگی بسر کرو‘‘۔

فرمایا:’’ھن لباس لکم وانتم لباس لھن‘‘۔

’’وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو‘‘۔

قرآن پاک نے حضور ﷺ کی برکت سے عورت کو کیسا بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ اور حضور ﷺ کی زبان حق ترجمان سے نکلے ہوئے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:۔

فرمایا: تم میں سے ہر ایک نگران ہے۔ اور ہر ایک سے اس کے ماتحت افراد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ بادشاہ نگران ہے اور ہر آدمی گھر والوں کا نگران ہے۔ اور عورت اپنے خاوند اور اس کے گھر کی نگران ہے۔ (کتاب البخاری النکاح)

فرمایا: اے عبداللہ مجھے خبر پہنچی ہے۔ کہ تم ہمیشہ دن کو روزے رکھتے ہو اور راتوں کو قیام کرتے ہو ایسا نہ کرو بلکہ ایک دن روزہ رکھو اور دوسرے روز چھوڑ دو قیام کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے جسم، تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے۔ (کتاب النکاح)

فرمایا: تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو لونڈی غلاموں کی طرح نہ پیٹے کہ پھر دن ختم ہو تو اس سے مجامعت کرنے بیٹھ جائے‘‘۔ (کتاب لنکاح)۔

فرمایا: والمراۃ راعیه علی بیت زوجھا وھی مسئولة۔ ’’عورت اپنے شوہر کے گھر کی حاکم ہے۔ اور اس سے پوچھا جائے گا‘‘۔ (کتاب النکاح)۔

فرمایا:’’عورتوں کیساتھ بھلائی کرنے کے بارے میں میری وصیت قبول کرو‘‘۔

(کتاب لنکاح)۔

فرمایا: ''ایک نبی نے جہاد کیا اور فرمایا میرے ساتھ وہ شخص جہاد میں شریک نہ ہو۔ جس نے ابھی نئی شادی کی ہو''۔

حضرت خنساء بنت خزام انصاریہؓ کا نکاح ہوا حالانکہ اس نکاح کو پسند نہ کرتی تھیں حضورؐ کو خبر ہوئی تو فرمایا وہ نکاح مردود ہے''۔ (کتاب النکاح)۔

فرمایا: ''ان شرائط کو تمہیں پورا کرنا ہے جن کی وجہ سے عورتوں کی ناموس حلال ہوئی''۔ (بخاری)

ان ارشادات عالیہ سے معلوم ہوا کہ اسلام نے عورت کو بے بس قرار نہیں دیا بلکہ اسے گھر میں مکمل اختیارات تفویض کیے ہیں اسکے حقوق کا تحفظ فرمایا ہے۔ کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی بیوی کیلئے اچھا ہے۔ (ترمذی شریف)۔

اسلام نے عورت کو وراثت کا حقدار ٹھہرایا۔ خلع کا اختیار دیا۔ پسند و ناپسند کرنے کا حق عطا کیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دیا تو ہم نے حضور ﷺ کو پسند کر لیا (کتاب النکاح) پھر حضور ﷺ نے اہل و عیال پر خرچ کرنے کو صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں باعث ثواب ہوتا ہے۔ (کتاب النفقات)۔

آپ ﷺ نے طلاق کی صورت میں بھی عورت کا بھلا کرنیکی ہدایت فرمائی۔ حضور ﷺ نے خود امیمہ بنت الجون سے نکاح کیا۔ پھر اس عورت نے کہا کہ میں طلاق چاہتی ہوں، تو آپ ﷺ نے اسے طلاق دے دی اور کچھ تحفے تحائف دے کر رخصت فرمایا ۔ بخاری کتاب الطلاق)

تعددِ ازواج۔۔۔۔۔۔کیا عورت کے حقوق پر حملہ ہے؟

کچھ متعصب مزاج مخالفین اسلام نے اسلام کے نظریہ تعدد ازواج کو حقوق عورت

پڑا کہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ اگر تاریخ انسانیت کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے دیگر مذاہب میں بھی تعدد ازدواج پر کوئی پابندی نہیں ہندو مذہب کے راہنما کرشن جی کی سینکڑوں بیویاں تھیں اس مقام پر ان ہندو مفکرین کا سر شرم سے جھک جانا چاہیے جو حضور ﷺ کے تعدد ازدواج پر انگشت نمائی کرتے ہیں۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے۔ اسلام کا یہ تصور بھی بالکل فطری ہے۔ یوں اسلام بھی ایک عورت سے شادی کا حکم دیتا ہے۔ مگر اگرسباب وعلل پیدا ہو جائیں کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا ناگریز ہو تو پھر اس کی اجازت بھی دیتا ہے۔ تعدد ازدواج کے اسباب پر غور کریں:۔

1۔ اکثر خوں ریز جنگوں میں مردوں کی کثیر تعداد ختم ہو جاتی ہے۔ عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔ اگر تعدد ازدواج کا طریقہ رائج نہ ہو تو پھر اندازہ کریں کہ کتنی عورتیں برائی کی اتھاہ تاریکی میں ڈوب جائیں گی اس لئے برٹ اسپنسر نے لکھا ہے کہ تعدد ازدواج قوموں کیلئے فائدہ مند ہے۔ (علم الاجتماع)

امریکہ کے ایک سروے کے مطابق جوان لڑکیوں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ ہے۔ اور کنوارے جوان لڑکوں کی تعداد نوے ۹۰ لاکھ ہے۔ ان تیس لاکھ لڑکیوں کو امریکہ جیسا آزاد معاشرہ فحاشی اور حرامکاری پھیلانے سے کیسے روک سکتا ہے؟ اسلام نے پہلے ہی تعدد ازدواج کو جائز قرار دے کر معاشرے میں پیدا ہونے والی بیماریوں کا خاتمہ کر دیا۔

2۔ ایک عورت سے اولاد پیدا ہونے کی امید دم توڑ جائے تو دوسری سے شادی کر سکتا ہے۔

3۔ بے حیائی اور بدکاری بڑھ جائے تو اس کا واحد حل اسلام کا نظریہ تعدد ازدواج ہے۔ جسے مفکرین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مشہور ماہر جنسیات جمیس ہلٹن لکھتا ہے۔

''اسلام بعض سخت شرائط کے تحت محدود تعدد ازدواج کی اجازت اس لیے دیتا ہے

کہ لاتعداد حرامکاری کا سدباب ہو۔ جو وحدت ازدواجی کے قائل ہیں۔ ان کے پاس لامحدود حرامکاری کے سدباب کا کوئی علاج نہیں ۔ وہ اس لئے زہر بھری باتیں کرتے ہیں مگر یہ آواز بلند نہیں کرتے شادی شدہ مرد کو جنسی جذبات کی تسکین کیلئے دوسری عورت کے ہاں پناہ نہیں لینی چاہئے"۔ (اسلام اور جنسیات)

یاد رہے کہ اسلام نے عورتوں کے درمیان انصاف کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ فان خفتم الا تعدلو فواحدۃ۔ "اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک عورت ہی کافی ہے"۔ (سورت النساء)۔ حضور ﷺ ایک ہی رات میں اپنی تمام ازواج کے پاس چلے جایا کرتے تھے۔ (بخاری، کتاب النکاح)۔

اسلام کا یہ قانون حقوق عورت پر حملہ نہیں بلکہ عالم انسانیت کیلئے رحمت ہے۔ بشرطیکہ اس فرمان خدا و رسول ﷺ کے مطابق اپنایا جائے۔ جو آدمی حقوق عورت کما حقہ پورے نہیں کر سکتا اسلام اسے نکاح کی اجازت نہیں دیتا۔

فرمایا:۔ **یا معشر الشباب من استطاع منکم البائۃ فلیتزوج ومن لم یستطع و فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء** ۔ "اے جوانو جو تم میں عورت کے حقوق ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اسے ضرور کرنا چاہئے۔ اور جو طاقت نہ رکھتا ہو اس کیلئے روزے ہیں کیونکہ وہ جنسی خواہشات ختم کرتے ہیں" (بخاری کتاب النکاح)۔

اسلام میں مقصد نکاح اتنا عظیم ہے کہ دوسرے مذاہب کبھی اس بلند تصور پر پہنچ نہیں سکتے۔ پھر اس کا نعم البدل بھی انسان کو عطا فرمایا۔ کیا کوئی ماہر جنسیات دعویٰ کر سکتا ہے کہ روزے رکھنے سے جنسی خواہشات (جو معاشرے میں برائی کا پیش خیمہ ہیں) کو موت واقع نہیں ہوتی؟ جس طرح نکاح۔ **اغض للبصر و احصن للفرج** ۔ "(نگاہ کو جھکاتا اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے) بخاری کتاب النکاح (کی صفات سے مزین ہے۔ اسی طر

ح روزہ رکھنے سے بھی نگاہوں شرم اور نفسانی تمناؤں پر قابو نصیب ہوتا ہے۔

جس طرح النکاح نصف الایمان۔ نکاح آدھا ایمان ہے۔ ایسے ہی روزہ انسان کی متاعِ ایمان کی حفاظت کرتا۔ فرمایا: ”روزہ ڈھال ہے“۔ یہ دنیا میں شیطانی حملوں سے روکتا ہے۔ اور آخرت میں آذرفشاں جہنم سے محفوظ رکھتا ہے۔

جب بساطِ معاشرہ پر خاندان وسعت پذیر ہوتا ہے تو انسان کا واسطہ دوسرے اعزہ واقارب سے پڑتا ہے۔ علمائے شہریت نے ساخت کے اعتبار سے خاندان کی دو اقسام بیان کی ہیں۔ مشترکہ خاندان (Joint Family) اور مرکزی خاندان (Conjugal Family) مشترکہ خاندان میں متعدد قرابت دار شامل ہوتے ہیں۔ مثلاً بہن بھائی، چچا، دادا، دادی، پھوپھی وغیرہ۔ مشترکہ خاندان میں ایک فرد کا دائرہ کار وسیع ہوتا ہے۔ مرکزی خاندان میں صرف میاں بیوی اور بچے شامل ہوتے ہیں۔ مغربی معاشرے میں مرکزی خاندان کا رواج ہے۔ یعنی آدمی نے شادی کی اور ساری عمر بیوی بچوں کے ہو کے رہ گئے۔ عزیز واقارب سے کوئی سروکار نہیں۔ جبکہ اسلام ہمیں عزیز واقارب سے تعلق رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ فرمایا ”رشتہ داری توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا“ (بخاری شریف) فرمایا ”مہربانی ایک شاخ ہے جو رحمٰن سے ملی ہوئی ہے۔ اللہ فرماتا ہے جو تجھ سے ملے گا میں اس سے ملوں گا جو تجھ سے تعلق ختم کرے گا میں اس سے تعلق ختم کرلوں گا“ (بخاری شریف) فرمایا ”صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ رشتہ جوڑے“ (بخاری شریف) حضور ﷺ نے ایک ریشمی حلہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کر عنایت فرمایا تو آپ نے وہ اپنے مشرک بھائی کیلئے مکہ معظمہ ارسال کر دیا۔ (بخاری شریف)

قرآن پاک بھی اسی بات کا حکم دیتا ہے:

"وبالوالدین احساناً و ذی القربی"۔

"والدین اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرو۔" (النساء)

اور فرمایا: فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعو ا ارحامکم اولیک الذین لعنھم اللہ فاصمھم و اعمی و ابصارھم۔" تو کیا تمہارے یہ کرتوت نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو، یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور انہیں حق سے بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں" (محمد)

اور فرمایا: واتقو ا اللہ الذی تساء لون بہ والا رحام۔" اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ کرو۔" (النساء)

اور فرمایا: ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان وایتآء ذی القربی۔" بے شک اللہ انصاف، حسن سلوک اور اہل قرابت کو دینے کا حکم دیتا ہے" (نحل)

اور فرمایا: لن تنالو البرحتی تنفقو امما تحبون۔" تم اس وقت تک نیکی حاصل نہیں کر سکو گے جب تک تم اپنی عزیز ترین چیز خرچ نہ کرو گے۔ اسی کے تحت ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک میٹھا کنواں تھا۔ رسول پاک ﷺ اس سے پانی پی کر گزرے۔ اس طرح یہ کنواں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ازحد پیارا تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عرض گزار ہوئے آقا! میں یہ کنواں بطور صدقہ کے دیتا ہوں۔ آپ اس کو اللہ کی رضا کے مطابق جہاں چاہیں خرچ کر لیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں اور بنی عم کو اکٹھا کیا اور ان میں اسے تقسیم کر دیا۔" (بخاری کتاب الزکوٰۃ)

اسلام نے کمزور رشتہ داروں کو بھی میراث میں شامل فرمایا اور ان کی ہمیشہ مالی اور

اخلاقی لحاظ سے امداد کرتے رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

یتیموں اور غلاموں کے حقوق:

دورِ جہالت میں یتیموں اور غلاموں سے انتہائی برا سلوک ہوتا تھا۔ حضور ﷺ کی برکت سے ایک ایسا معاشرتی نظام قائم ہوا جس نے یتیموں، ناداروں اور غلاموں کو انسانی حقوق عطا کئے۔ ان کے سروں پر شفقت کا ہاتھ رکھا۔ فرمایا: **ان و کا فل الیتیم فی الجنة هکذا** ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ایسے ہوں گے جیسے یہ (آپ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کر کے بتایا) قریب ہیں'' (بخاری کتاب الادب) (ترمذی، احمد) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق لکھا ہے کہ: **کان لا یاکل الطعام الا وعلی خوانه یتیم۔** ''وہ کسی یتیم بچے کے بغیر کھانا نہیں کھایا کرتے تھے۔'' (الادب المفرد)

قرآن پاک نے یتیموں کے بارے میں احسان کرنے کی از حد تلقین فرمائی ہے:

ویسئلونک عن الیتمی قل اصلاح لهم خیر۔ ''اور آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں تو فرما دیجئے کہ ان کی اصلاح کرنا اچھا ہے'' (البقرہ)

اور فرمایا: **و ان تقوموا للیتمی بالقسط** ''یہ کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف پر قائم رہو۔'' (النساء)

اور فرمایا: **واتوا الیتمی ا موالهم ولا تتبد لو ا الخبیث بالطیب۔** ''اور یتیموں کو ان کا مال دے دو اور اچھی چیز کو بری سے نہ بدلو'' (النساء)

اور فرمایا: **ولا تاکلو ا اموالهم الی اموالکم انه کان حوباً کبیراً۔** ''اور ان کے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ، یہ بہت سنگین گناہ ہے'' (النساء)

اور فرمایا: ''کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے''

فذلک الذی یدع الیتیم ''یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔'' (الماعون)

اس آیت سے کفار کا طرزِ عمل بھی معلوم ہوا کہ وہ صرف مذہب کو ہی نہیں جھٹلاتے تھے بلکہ یتیموں، ناداروں اور مسکینوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک بھی کرتے تھے۔ اس کے برعکس اسلام نے ایسا نظام قائم کیا جس میں احترامِ انسانیت کا درس پنہاں ہے۔ فرمایا ''جو لوگ مسکین، یتیم اور اسیر کو اس کی محبت کی وجہ سے کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں اللہ کی رضا کیلئے کھانا کھلاتے ہیں **لا نرید منکم جزاء و لا شکورا** ''ہم تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتے اور نہ الفاظ تشکر'' (الدہر)

حضور ﷺ نے بیواؤں اور مسکینوں کو بھی معاشرے میں بلند مقام عطا فرمایا۔ دور جہالت میں بیوہ عورت کو نحوست کی نشانی تصور کیا جاتا تھا۔ مسکینوں کی حالت بھی نہایت ناگفتہ بہ تھی۔

رحمۃ للعالمین نے فرمایا: ''بیوہ اور مسکین کی امداد کرنے والا راہِ خداوندی میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس کی طرح ہے جو دن کو روزے رکھے اور رات کو قیام کرے۔'' (کتاب الادب)

قرآن پاک میں ان کو مال غنیمت کا حقدار بھی ٹھہرایا گیا ہے۔

☆ دور جہالت میں غلاموں اور لونڈیوں کی زندگی انتہائی خستہ حال تھی۔ ان سے سخت کام لئے جاتے اور اجرت کا نام تک نہ لیا جاتا، لونڈیوں کے گوہر عفت کو فروخت کیا جاتا۔

حضور ﷺ کی برکت سے غلاموں کے دن بدل گئے۔ لونڈیوں کی عزتیں محفوظ ہو گئیں۔ آپ نے ذہنوں میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ غلاموں اور لونڈیوں سے بدسلوکی کرنا جرم عظیم ہے۔ اور اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ میں

تین قسم کے لوگوں سے قیامت میں جھگڑا کروں گا: (۱) وہ جو میرا واسطہ دیکر عہد باندھے اور بعد میں توڑ دے۔ (۲) وہ جو کسی آزاد شخص کو غلام بنائے اور اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کھا جائے۔ (۳) وہ جو مزدور کی مزدوری دبا لے۔" (بخاری کتاب البیع)

فرمایا: "تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، خدا نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ اب چاہئے کہ جیسا خود کھاتے ہو ویسا ان کو بھی کھلاؤ، جیسا خود پہنتے ہو ویسا ان کو پہناؤ، ان کو ایسے کام نہ دو جو طاقت سے باہر ہوں اگر کام دو تو خود ان کی امداد کرو" (بخاری کتاب العتیق)

فرمایا: "جو شخص اپنے غلام پر تہمت لگائے اور وہ اس سے بری ہو تو عرصہ محشر میں اسے کوڑے لگائے جائیں گے۔" (بخاری شریف)

تمام فقہائے کرام کا اجماع ہے کہ آقا پر حد قذف لگائی جائے گی۔ اسلام کی روشنی میں غلاموں کی حدود و عقوبات آزاد آدمیوں کی نسبت نصف ہیں۔ اگر ایک جرم میں آزاد آدمی کو اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں تو اسی جرم کی پاداش میں غلام کو چالیس کوڑوں کی سزا ہوگی۔ اس کی حکمت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں۔

"اگر غلاموں کیلئے انتہائی سزا مشروع کر دی جائے تو اس سے ظلم کا دروازہ کھل جائے گا۔ اسی طرح ایک مالک اپنے غلام کو قتل کر دے گا اور بہانہ یہ تراشے گا کہ اس نے زنا کیا تھا اور پھر اس سے کوئی باز پرس بھی نہیں ہوگی۔ اس بنا پر غلاموں کی حدود کو ایک حد تک کم کر دیا ہے کہ ہلاکت منتج نہ ہو" (حجۃ اللہ البالغہ ص ۲/۱۶۰)

اسلامی فتنہ میں غلام اور باندی کی شہادت کو جائز کیا گیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "غلام اور باندی کی شہادت جائز ہے بشرطیکہ وہ عادل ہوں" (بخاری شریف)

یعنی ان کی غلام اور باندی ہونے کی حالت انہیں شہادت دینے سے نہیں روک سکتی۔ ہاں اگر عادل نہ ہوں تو پھر ان کی شہادت قبول نہیں اور یہ شرط آزاد شخص کیلئے بھی بعینہ ہے۔ سلام نے غلاموں کو امامت کا حق بھی عطا فرمایا جو انتہائی عزت و احترام کا حامل ہے، جب حضرت ابو حذیفہ کے غلام سالم نماز میں امامت کراتے تو آپ کی اقتداء میں حضرت ابو بکر، عمر، ابو سلمہ، زید اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جید صحابہ نماز پڑھا کرتے۔ (بخاری شریف)

اسلام نے اہل فہم اور بہادر غلاموں کو امیر لشکر بھی مقرر فرمایا اور ان کی اطاعت کرنے کا بڑے بڑے روسا کو حکم دیا۔ مثلاً حضور ﷺ نے وصال فرمانے سے چند روز قبل حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لشکر اسلام کا امیر نامزد فرمایا دیا اور حضرت ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کو ان کی اطاعت کرنے کا حکم دیا۔ بعض لوگ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت پر چہ میگوئیاں کرنے لگے تو فرمایا قد یلغنی انکم قلتم فی اسامه وا نه احب الناس الی "مجھے معلوم ہے کہ تم اسامہ کے بارے میں گفتگو کر رہے ہو حالانکہ وہ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ پیارا ہے۔" (کتاب المغازی)۔

دوسری روایت میں ہے کہ سرکار مدینہ ﷺ نے فرمایا "اگر تم اس کی امارت پر معترض ہو تو قبل ازیں تم اس کے والدِ ماجد کی امارت پر بھی معترض ہوئے تھے۔ حالانکہ خدا کی قسم وہ امارت کے اہل تھے اور مجھے سب لوگوں سے پیارے تھے۔ ان کے بعد یہ (اسامہ) مجھے سب لوگوں سے پیارا ہے" (بخاری، کتاب المغازی)

لشکر جنگ موتہ کے شہیدوں کا انتقام لینے کیلئے چل پڑا۔ ابھی کچھ منزلیں ہی طے کر پایا تھا کہ محبوب خدا پردہ فرما گئے، لشکر اس سانحہ جانکاہ کی خبر پا کر واپس لوٹ آیا۔ پھر

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور خلافت شروع ہوا تو آپ نے سب سے پہلے اسی لشکر کی روانگی کے انتظامات فرمائے، کئی صحابہ نے حالات کی نزاکت دیکھ کر مشورہ دیا کہ اس مہم کا فی الحال ملتوی کرنا بہتر ہے۔ مگر پیکر استقامت، مجسمہ صداقت، محرم نبوت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میری جان ہے اگر مدینے میں اتنا سناٹا ہو جائے کہ درندے آکر میری ٹانگوں کو نوچ لیں، تب بھی میں اس مہم کو جس کی روانگی کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا نہیں روک سکتا۔'' (تاریخ اسلام از معین الدین ندوی بحوالہ تاریخ الخلفاء)

تاریخ اسلام کا دامن ایسے ان گنت واقعات سے بھرا ہے جن میں بغیر کسی حیل و حجت کے غلاموں کو اپنا امیر جہاد تسلیم کیا گیا ہے۔ ساحل اندلس پر کشتیاں جلانے والا عظیم بطل حریت طارق بن زیاد عظیم سپہ سالار موسیٰ بن نصیر کا غلام تھا۔ برصغیر پاک و ہند پہ خاندان غلاماں نے بڑے تزک واحتشام کے ساتھ حکومت کی ہے۔ خاندان غلاماں کے بانی قطب الدین ایبک سلطان محمد غوری کا غلام تھا۔ محمود غزنوی اور اس کے غلام ایاز کی وفاداری کی خلوص بھری داستانیں آج بھی فضا میں گونجتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ یہ بارگاہ مصطفیٰ کی برکتیں ہیں کہ جہاں فقیر و غنی، شاہ و گدا ایک ہی رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں۔ ؏

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

رومن بادشاہت میں غلام کو شادی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن) بلکہ بعض قوموں میں یہ رواج تھا کہ غلام کو خصی کر دیا جاتا تھا حضرت محسن دو عالم ﷺ نے اس رسم شدید کی مخالفت کی اور اسلامی معاشرے میں اس بہیمانہ سلوک کو شامل نہیں ہونے دیا۔ غلام کی شادی بیاہ وغیرہ کا بوجھ اس کے آقا کے کندھوں پر ڈالا۔ قرآن پاک کا بھی ارشاد ہے وانکحوا الایامیٰ منکم والصلحین من عبادکم و امائکم''

اور جو تم میں سے مجرد ہیں ان کے نکاح کر دو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو صلاحیت رکھتے ہوں۔ (نور)

اسلام نے غلاموں کو تعلیم حاصل کرنے کا حق دیا۔ فرمایا'' تین اشخاص کو دو اجر ملیں گے اول جو اپنی باندی کو تعلیم دے اس کو ادب سکھائے اور پھر اس کو آزاد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے عذابِ دوزخ سے آزاد کر دے گا'' (بخاری مسلم) اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ صحابہ کرام نے ہزاروں کی تعداد میں غلام آزاد کئے۔ مثلاً

حضرت عبداللہ بن عمر نے ایک ہزار، حضرت عباس نے ستر، حضرت عبدالرحمن نے تین ہزار، حضرت عائشہ نے ستاسٹھ، حضرت حکیم بن حزام نے سو اور ذوالکلاع الحمیری نے آٹھ ہزار غلام آزاد کئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) حضرت ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی بہت سے غلام آزاد کئے۔

بلکہ اسلام نے تو بعض گناہوں کا کفارہ ہی غلام کی آزادی قرار دیا ہے۔ مثلاً روزہ توڑنے، قتل خطا، کفارہ ظہار کے مقام پر۔

ہمسائے کے حقوق:

اسلامی معاشرے میں ہمسائے کو خاص مقام دیا گیا ہے۔ ہمسایہ اگر صاحب درد ہو تو ان رشتہ داروں سے کہیں بہتر ہے جو دشمنی پر تلے رہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ما ذا ل یو صینی جبریل بالجار حتی ظننت انه سیورثه'' حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ہمسائے کے بارے اتنی وصیت کی ہے کہ مجھے خیال آنے لگا کہ شاید اسے وراثت کے حصے کا حقدار ٹھہرا دیا جائے گا'' (بخاری کتاب الادب)

فرمایا'' وہ شخص مسلمان نہیں جس کا ہمسایہ اس کی ایذا رسانی سے محفوظ نہیں۔'' (بخاری کتاب الادب) فرمایا:'' کوئی عورت اپنی پڑوسن کی تذلیل وتحقیر نہ کرے اگرچہ وہ

بکرے کے کھر جیسی کیوں نہ ہو۔'' (بخاری کتاب الادب)۔

فرمایا: ''جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کی عزت کرے۔'' (بخاری کتاب الادب)

ایک دفعہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں کسے ہدیہ بھیجا کروں؟ فرمایا: ''جس کا دروازہ تمہارے گھر کے زیادہ قریب ہو۔'' (بخاری شریف)

اسلام نے ہمسائے کی عزت و آبرو اور جان و مال کا تحفظ کیا ہے، عرض کی گئی، سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا! شرک کرنا، پھر اولاد کو قتل کرنا، پھر ہمسائے کی بیوی کی آبرو ریزی کرنا'' (او کما قال علیہ السلام) (بخاری و مسلم)

اسلامی معاشرے کا انداز حیات:

تاجدار کونین حضور ﷺ کی برکت سے ایسا معاشرہ معرض وجود میں آیا جس کے ہر ہر انداز سے محبت، وفا، یگانگت، خلوص، اخوت، حسن اخلاق، انصاف اور مساوات کے سوتے ابلتے نظر آتے ہیں۔ پھر یہ معاشرہ کسی ایک قوم، ملک یا خاندان تک محدود نہیں بلکہ آفاق گیر ہے۔ مشرق و مغرب، شمال و جنوب جہاں کہیں مسلمان بستے ہیں سب وحدت کے رشتے سے منسلک ہیں، ایک نہ ٹوٹنے والی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

فرد قائم ربط ملت سے ھے تنہا کچھ نہیں
موج ھے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

ہمسایہ جبریل امیں بندہ خاکی!
ھے اس کا نشیمن، نہ بخارا نہ بدخشاں

فلسطین پہ قیامت ٹوٹ رہی ہو یا کشمیر کے چنار سلگ رہے ہوں، افغانستان تڑپ رہا ہو یا بوسنیا کراہ رہا ہو۔ دنیا کے تمام مسلمانوں کی نیند ماری جاتی ہے اور یہ اس درد کی علامت ہے جو سرور عالم ﷺ نے اپنے غلاموں کے ریشے ریشے میں بھر دیا ہے۔ کوئی مکہ کا ہو یا مدینہ کا، عربی ہو یا عجمی، حبشی ہو یا رومی سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

فرمایا: **المومن للمومن کالبنیان یشد بعضه بعض۔**

"مسلمان، مسلمان کیلئے دیوار کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت دیتا ہے۔" (بخاری، کتاب الادب)

فرمایا: کونوا عباد اللہ اخوانا" تم اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ" (بخاری شریف)

یہ بھی فرمایا "اہل ایمان ایک جسم کی مانند ہیں، جس طرح جسم کے کسی حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے سکون ہو جاتا ہے" ذیل میں ہم مسلم معاشرے کا انداز حیات بیان کرتے ہیں:

تحفظ جان و مال:

فخر دو عالم ﷺ نے حجۃ الوداع کے روز عالم اسلام کو جو ارشادات فرمائے ان میں یہ بات نمایاں ہے:

"فان دمائکم و اموالکم (قال محمد و احسبه قال) و اعراضکم علیکم حرام کحرمةِ یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شهر کم هذا و ستلقون ربکم فسیسا لکم عن اعمالکم الا فلا ترجعوا بعدی ضلالا یضرب بعضکم رقاب بعض الا یبلغ الشاهد الغائب".

"تمہارے خون، تمہارے مال (محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ میرے خیال میں

حضرت ابوبکر نے یہ بھی فرمایا کہ) تمہاری آبرو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جیسے تمہارے دن کی حرمت، تمہارے شہر کی حرمت اور تمہارے مہینے کی حرمت اور عنقریب تم نے اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ کیا تم میرے بعد گمراہ ہو کر ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو گے؟ خبردار! جو یہاں حاضر ہیں وہ یہ باتیں غیر حاضر لوگوں کو بتادیں۔'' (بخاری کتاب المغازی)

معلوم ہوا کہ انسانی جان کی جتنی قدر و قیمت اسلام نے بیان فرمائی ہے کسی اور مذہب نے نہیں، انسانی مال و آبرو کا جتنا احترام اسلام میں پایا جاتا ہے کسی اور مذہب میں نہیں، یہ اسلام ہی ہے جو کہتا ہے۔ **من قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فکا نما قتل الناس جمیعا ومن احیا ھا فکانما احیا الناس جمیعا۔** ''جو کوئی کسی جان کو بغیر جان کے بدلہ کے یا زمین میں فساد برپا کرنے کیلئے قتل کرے گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا، اور جو کوئی زندہ رکھے گا گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ رکھا۔ (المائدہ)

آدابِ ملاقات:

اسلامی معاشرے کیلئے جو سرکار مدینہ ﷺ نے آداب ملاقات تشکیل دیئے ہیں۔ سراسر محبت واحترام پر مبنی ہیں، جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو ملنے کیلئے آئے تو اس کا کھڑے ہو کر استقبال کرنا چاہئے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ملنے کیلئے آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ **قوموا الی سید کم اوخیر کم** ''اپنے سردار یا بہترین آدمی (کی تعظیم) کیلئے کھڑے ہو جاؤ'' (کتاب الاستئذان)

اور مسلمان، مسلمان سے مصافحہ کرے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے مجھے تشہد سکھایا اور میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا اصحاب رسول میں مصافحے کا رواج تھا،

انہوں نے کہا "ہاں" (کتاب الستئذان)

اور مسلمان، مسلمان سے ملے تو پہلی بات یہ کرے السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

حدیث ہے "اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ ان کا قد ساٹھ میٹر تھا۔ اللہ نے فرمایا:

"اذهب فسلم علىٰ اولئک النفر من الملائکة جلوس فاستمع ما یحیونک فانها تحیتک و تحية ذریتک فقال السلام علیکم فقالو االسلام علیکم ورحمة الله فزا دوه ورحمة الله فکل من یدخل الجنة علی صورة ادم".

"جاؤ اور فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو جو بیٹھے ہوئے ہیں اور غور سے سنا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں کیونکہ وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا، چنانچہ انہوں نے سلام کیا۔ فرشتوں نے کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" یعنی "رحمۃ اللہ" کے الفاظ کا اضافہ کیا۔ پس جو بھی جنت میں جائے گا صورت آدم میں ہوگا" (بخاری شریف)

فرمایا: یسلم الراکب علی الماشي والماشي علی القاعد و القلیل علی الکثیر. ترجمہ: 'سوار پیدل کو، پیدل بیٹھے کو اور تھوڑے آدمی زیادہ کو سلام کریں" (بخاری کتاب الاستئذان)

فرمایا: "یسلم الصغیر علی الکبیر".

"چھوٹا بڑے کو سلام کرے" (بخاری شریف)

حضور ﷺ نے معاشرے کو یگانگت آشنا کرنے کیلئے سات ہدایات فرمائیں:

"بعیادۃ المریض و اتباع الجنائز و تشمیت العاطس و نصر الضعیف و عون المظلوم و افشاءَ السلام و ابرار المقسم".

''بیمار کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، چھینکنے والے کو جواب دینا، کمزور کی مدد کرنا، مظلوم کی مدد کرنا، سلام پھیلانا اور قسم کو پورا کرنا۔'' (بخاری شریف، کتاب الاستئذان)

مذکورہ صدر تمام امور ہر حال میں محبت وعقیدت کے جذبات کو فروغ دیتے ہیں۔

جس معاشرے کی بنیاد ان چیزوں پر رکھی جائے وہ کیوں نہ امن وامان کا داعی کہلائے گا۔

اور مجلس میں بیٹھنے کے آداب سکھائے کہ ''کوئی آدمی دوسرے آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر نہ بیٹھے۔'' (بخاری)

فرمایا: تفسحوا و توسحوا''۔

''مجلس میں کھل جایا کرو اور کشادگی پیدا کیا کرو'' (بخاری)

فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو روکے، کیونکہ جمائی آتی ہے تو ابلیس ہنستا ہے۔'' (بخاری)

ویسے بھی محفل میں اگر منہ کھل جائے یا انگڑائی آ جائے اور آدمی اس کو کنٹرول نہ کرے تو دوسروں کی طبیعت پر بار گزرتا ہے، یہی بات آداب محفل کے خلاف ہے۔ اور محفل میں یاوہ گوئی سے احتراز کیا جائے۔ فرمایا ''سچائی بھلائی کی طرف لے جاتی ہے اور بھلائی جنت کی طرف اور آدمی برابر سچ بولتے رہنے سے صدیق ہو جاتا ہے اور جھوٹ بدکاری کی طرف لے جاتا اور بدکاری جہنم کی طرف اور آدمی برابر جھوٹ بولتے رہنے سے کذاب بن جاتا ہے۔'' بخاری شریف کتاب الادب)

فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں:

''اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اتمن خان''۔

''جب با[illegible] تو خلاف ورزی کرے گا، امین

بنایا جائے تو خیانت کرے گا۔" (ایضاً)

فرمایا" جو شخص بے پر کی اڑاتا تھا اور اس کا جھوٹ ہر طرف پھیل جاتا تھا میں نے (شب معراج) کو دیکھا کہ اس کے جبڑے چیرے جا رہے ہیں۔" (ایضاً)

اور محفل میں گالی گلوچ انتہائی بری عادت ہے، فرمایا:

"سباب المسلم فسوق و قتاله کفر"۔

"مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے" (ایضاً)

فرمایا" جس نے مسلمان پر لعنت کی تو یہ اسے قتل کرنے کے مترادف ہے اور جس نے ایمان دار پر کفر کا الزام لگایا تو یہ بھی اسے قتل کرنے والے کو سب سے برا دیکھو گے۔" (ایضاً)

اور ایسی بات نہ کی جائے جو کسی کی دل آزاری کا باعث ہو۔ فرمایا" سب سے برا آدمی وہ ہے جس کی فحش گوئی سے تنگ آ کر دوسرے اسے چھوڑ دیں" (ایضاً) کسی کا مذاق نہ اڑایا جائے، حضور ﷺ نے ریح خارج ہونے پر ہنسنے سے منع فرمایا ہے"۔

اور بعض لوگوں میں یہ عادت ہے کہ وہ دوستوں میں اپنی روسیاہیوں کا ذکر بڑے فخر سے کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا" ہر امتی کے گناہ معاف کروائے جائیں گے مگر ان کے نہیں جو اپنے گناہوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ رات بھر اللہ ان کے گناہوں پر پردہ ڈالے رکھتا ہے مگر کتنی بیہودہ بات ہے کہ وہ صبح ہوتے ہی اس پر سے پردے کھول دیتے ہیں۔"

حضور نے جنتی لوگ بتائے، ہر وہ ضعیف اور گمنام آدمی جو لو اقسم علی اللہ لا برہ "اگر اللہ کے بھروسے پر قسم کھائے تو اللہ اس کی بات ضرور مان لیتا ہے"۔ پھر جہنمی لوگ بتائے" ہر اکھڑ، بد اخلاق اور غرور کرنے والا" (ایضاً)

اور اگر بتقا [illegible] جھگڑا ہو بھی جائے تو جلدی صلح

کر لیں، فرمایا: **لا یحل الرجل ان تهجر اخاه فوق ثلاث لیال** ''کسی پر حلال نہیں کہ وہ مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ تعلقات ترک رکھے۔'' جب آپس میں ملیں تو بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرے۔'' (ایضاً)

اور مسلمان کو شرم و حیا کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔ فرمایا'' کلام نبوت سے جو پہلی بات لوگوں تک پہنچی وہ یہی ہے **اذالم تستحی فا صنع ماشئت۔** '' جب تیرے پاس شرم و حیا نہ رہے تو جو چاہئے کر'' اور بات میں آسانی کی گنجائش نکالنی چاہئے۔ فرمایا ''لوگوں کیلئے آسانی پیدا کرو، سختی نہ کرو، خوش رکھو، نفرت نہ دلاؤ اور ایک دوسرے سے تعاون کرو۔'' (ایضاً)

اور مہمان کی عزت کی جائے۔ فرمایا'' جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ مہمان کا اکرام کرے، ایک رات دن تو اس کا حق، تین دن ضیافت ہے اور اس کے آگے صدقہ ہے، کسی پر یہ حلال نہیں کہ وہ دوسرے کے پاس اتنا ٹھہرے کہ وہ اسے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دے'' (ایضاً)

فرمایا'' جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ مہمان کی عزت کرے، صلہ رحمی کرے اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔'' (ایضاً)

اور مختلف عیوب سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ فرمایا'' بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ دوسروں کے عیب تلاش نہ کرو، نہ کسی کی جاسوسی کرو نہ کسی سے حسد کرو۔ نہ کسی سے بغض و کینہ رکھو۔'' (ایضاً) فرمایا'' کسی کو دھوکہ نہ دو'' (ایضاً) فرمایا **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده المهاجرمن هجر مانهی الله عنه.** ''مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو ان کاموں سے رک جائے جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔'' (کتاب الرقاق) دنیا کی بو

قلمونیوں میں نہ کھو جائے کہ ان کی خاطر اللہ کے ذکر کو ترک کر دے یا دنیا کیلئے دوسرے مسلمان بھائیوں کے جذبات پامال کرتا رہے، فرمایا ”مجھے تمہاری مفلسی کا کوئی ڈر نہیں ہے بلکہ تمہارے متعلق یہ ڈر ہے کہ تم پر دنیا کشادہ کر دی جائے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کی گئی تھی۔ اور اس کے ساتھ ایسا ہی پیار کرنے لگو جیسا پہلے لوگوں نے کیا اور وہ تمہیں ہلاک کر دے جیسے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔“ (کتاب الرقاق) فرمایا ”دنیا میں ایسے رہو جیسے ایک مفلس آدمی ہو یا مسافر ہو۔“ (ایضاً)

فرمایا ”دنیا و درہم کے بندے، ریشمی چادروں اور اونی کپڑوں کے بندے ہلاک ہو گئے۔ یہ چیزیں مل جائیں تو راضی ورنہ نہیں ہوتے۔“ (کتاب الرقاق) فرمایا ”آدمی کو سونے سے بھری ہوئی ایک ایک وادی عطا فرما دی جائے تو وہ چاہے گا کہ ایک دوسری مل جائے۔ اگر دوسری بھی مل جائے تو تیسری کی آرزو کرے گا،“ حقیقت میں آدمی کے پیٹ کو مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ اللہ توبہ قبول فرماتا ہے“ (کتاب الرقاق)

مال و زر راہ خدا میں خرچ کرنا چاہئے۔ اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنی چاہئے، مال و زر جمع کر کے راہ قارونی پر چلنا انتہائی برا ہے۔ فرمایا ”زیادہ مال والے قیامت کے روز کم نیکیوں والے ہوں گے سوائے اس کے جو اللہ کے عطا کردہ مال کو دائیں بائیں آگے پیچھے خرچ کرے اور اس کی نیکی کمائے۔“ (کتاب الرقاق) فرمایا ”مجھے کوئی خوشی نہیں اگر میرے پاس کوہ احد کے برابر سونا پڑا رہے اور تین دن میں خرچ نہ ہو“ (ایضاً) فرمایا: **ليس الغنى عن كثيرة العرض ولكن الغنى غنى النفس.** ”کثرت مال سے تونگری نہیں، آدمی دل سے تونگر ہو تو اصل تونگری یہ ہے۔“ (ایضاً)

اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی چار دیواری کا احترام کرے، کسی کے گھر تانک جھانک بہت برا فعل ہے۔ فرمایا ”اگر کوئی آدمی بغیر اجازت تمہیں جھانک کر دیکھے اور

تم اس کی آنکھ میں کنکری مار دو جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے۔ لم یکن علیک جناح۔ ''تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں'' (بخاری کتاب الدیات) ایک آدمی نے آپ کے حجرے کی طرف دیکھا تو آپ تیر کا پھل لے کر کھڑے ہو گئے اور اسے مارنے کیلئے تل گئے۔'' (ایضاً)

اور تجارت میں مکر و فریب کی دنیا آباد کرنا اسلام نے قابل تحسین قرار نہیں دیا۔ اس طرح دوسرے بھائی کی حق تلفی ہوتی ہے، ملی بھگت سے بولی بڑھا کر معاشرے کو مہنگائی کا شکار بنا دینا بری بات ہے، **ان رسول اللہ ﷺ نهی عن الجنش** ''بے شک حضور نے ملی بھگت سے منع فرمایا۔'' (کتاب الحیل) قیامت کے دن ہر دھوکا باز کیلئے جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔'' (ایضاً)

اور اقتدار کی خاطر دوسروں پر جبر و استبداد کے پہاڑ نہ توڑے۔ مغربی جمہوریت میں حکومت کے حصول کیلئے کس طرح سب و شتم کا بازار گرم رہتا ہے، کس طرح سیاسی گروہ ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔ یہ کج فہمیاں اسلامی معاشرے کے خلاف ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا ''عنقریب تم امارات حاصل کرنے کی حرص کروگے اور عنقریب قیامت کے روز ندامت ہوگی۔ کیونکہ دودھ پلانے والی اچھی اور دودھ چھڑانے والی بری ہوتی ہے۔'' (کتاب الاحکام)

فرمایا ''امارت نہ مانگو۔ اگر تمہارے مانگنے پر وہ تمہیں دے دی جائے تو تمہیں اس کے سپرد کر دیا جائے گا اور بغیر مانگے تمہیں دی جائے تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی۔'' (ایضاً)

فرمایا ''جو حکمران رعیت کی خیر خواہی اور نگہبانی کا فریضہ ادا نہیں کرتا وہ جنت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا۔'' (کتاب الاحکام) فرمایا ''جو حکمران رعایا کے حقوق کا غاصب ہوا اس

پر جنت حرام ہے۔'' (ایضاً)

فرمایا'' دو آدمیوں کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔'' (ایضاً)

اور اسلامی معاشرے میں نظام حدود قائم ہے۔ اسلام مختلف کبائر سے منع فرماتا ہے اور ارتکاب کرنے والوں کو فطری سزائیں بھی دیتا ہے، دیگر مذاہب کا مطالعہ کیا جائے تو ان کا تعزیراتی نظام انتہائی خرابیوں سے آلودہ ہے۔ مثلاً ایک دفعہ یورپ میں کسی جیب کترے کو سرعام پھانسی دی گئی تو اس مقام عبرت پہ جمع ہونے والے کی ایک لوگوں کی جیبیں کٹ گئیں۔ چونکہ یہ سزا غیر فطری تھی اس لئے جیب کتروں نے اس کا منفی اثر قبول کیا اور عبرت حاصل کرنے کی بجائے بغاوت پر اتر آئے، اسلام پہلے اخلاقی سطح پر برائیوں کو ختم کرتا ہے، روسیاہوں کا عاقبت کا خوف دلاتا ہے، پھر بھی اگر کوئی برائی پر اتر آتا ہے تو اسے فطری سزا دیتا ہے، جو اس کی اصلاح میں مدومعاون ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً حضور ﷺ نے پہلے فرمایا'' مومن زنا نہیں کرتا، شراب نہیں پیتا، چوری نہیں کرتا'' یعنی یہ گناہ اہل ایمان کے ایمان ہی کے خلاف ہیں۔ اگر کوئی ان گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ کامل مومن نہیں۔ فرمایا'' چور پر اللہ لعنت فرماتا ہے کہ خود چراتا ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا اور کشتی کی رسی چراتا ہے تو پھر بھی ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔'' (کتاب الحدود) فرمایا'' انسان کا زنا میں جو حصہ مقرر ہے وہ اسے مل کر رہتا ہے، آنکھ کا زنا (غیر محرم کو) دیکھنا ہے، زبان کا زنا (غلط بات) کرنا ہے اور نفس کا زنا (بری خواہش) کرنا ہے اور شرمگاہ ان سب کی تصدیق یا تردید کر دیتی ہے۔'' (کتاب الاستئذان)

اللہ اکبر! حضور کا طریقہ تبلیغ کس طرح پر اثر ہے، ان گناہوں سے بچنے کی کیسے تلقین فرمائی گئی ہے فرمایا'' آدمی [illegible] کی بات کر دیتا ہے تو وہ جہنم میں

جا گرتا ہے حالانکہ وہ اس سے دور تھی جتنی مغرب سے مشرق'' (ایضاً)

اور جہاں معاشرے کو صحیح نہج پر گامزن کرنے کیلئے عورت کا وجود جا ناگزیر ہے وہاں اس کے ذریعے سے معاشرہ برائیوں کا اکھاڑہ بھی بن جاتا ہے، ایسا تب ہوتا ہے جب عورت اپنے بلند ترین مقام سے اتر کر شیطانی ہاتھوں کا کھلونا بن جاتی ہے، جب چند پیسوں کی خاطر گھنگرو باندھ کر ڈھولک کی تھاپ پر رقص کرتی ہے۔

جب ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کے اعلیٰ مراتب سے گر کر دوسروں کو داد عیش دیتی ہے، جب گھر سے نکل کر بازاروں کی زینت بنتی ہے۔ اسلامی معاشرہ عورت کو عورت رکھنے کیلئے اہم اصول تشکیل دیتا ہے۔ اگر ان اصولوں پر چلا جائے تو عورت کی آغوش میں طارق، قاسم اور ٹیپو پیدا ہوتے ہیں اور اگر ان سے انحراف کیا جائے تو معاشرے کے ناسور جنم لیتے ہیں جو معاشرے کو دردناک موت کے سوا کچھ بھی نہیں دے پاتے۔

عورت کے گوہر عفت کی حفاظت کیلئے اسلام نے پردے کا حکم صادر فرمایا۔ ایک دن فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! اپنی ازواج مطہرات کو پردے کا حکم دیں۔ اس مقام پر آیت حجاب نازل ہوئی۔

" یایها النبی قل لا زوّ اجک و بنا تک و نسا ء المومنین ید نین علیهن من جلا بیهن ذلک ادنی ان یعرفن فلا یوزین و کان الله غفوراً رحیما"۔

''اے محبوب! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے فرما دو کہ وہ اپنی چادریں اوپر اوڑھ لیا کریں۔ زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور انہیں ایذا نہ دی جائے اور اللہ مہربان رحم کرنے والا ہے۔'' اور فرمایا ولا تبرجن تبرج الجاهلیه الاولیٰ۔ ''دور جہالت کی طرح بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ما ترکت بعدی فتنة اضر علی الرجال من النسا "میرے بعد کوئی فتنہ ایسا نہیں جو لوگوں پر عورت کے فتنے سے زیادہ نقصان دہ ہو۔" (بخاری)

موجودہ دور میں جو ہماری مائیں، بہنیں اور بیٹیاں مغربی تہذیب پر جان چھڑک رہی ہیں انہیں اپنے مذہب کے اصول یاد ہونے چاہئیں جو ان کیلئے دنیا اور آخرت کی بہتری کا پیغام ہیں۔ اور جو سیاسی لوگ قوم کی ان بیٹیوں کو سڑکوں پر لا رہے ہیں انہیں بھی قوم کی آبرو کا لحاظ کرنا چاہیے، عورت کو چراغ خانہ رہنے دیں، شمع محفل نہ بنائیں۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ اپنے حقوق لینے کیلئے سڑکوں اور بازاروں میں "لانگ مارچ" کرنے والی خواتین حقوق کی بجائے ہمیشہ ہمیشہ کی رسوائیاں مول لے سکیں۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا اور جو نام نہاد مفکر اپنی "مفکری" چمکانے کیلئے عورت کے رقص تک کو جائز قرار دیتے ہیں انہیں بھی حیا کا دامن تھامنا چاہیے، وہ عورت کا مقام نہیں سمجھتے انہوں نے اس کو یورپی قوموں کی طرح سامان طرب جان رکھا ہے۔

اقبال کیا خوب کہتے ہیں

عزت ہے محبت کی قائم اے قیس حجاب محفل سے
محمل جو گیا، عزت بھی گئی، غیرت بھی گئی، لیلا بھی گئی

اے عورت! اگر تو سرور بطحا کی نام لیوا ہے تو پھر تیرے لئے یہ بات ندامت کا باعث ہونی چاہیے کہ تیرے "افسانے" مشرق سے مغرب تک ہر زبان پر رقص کر رہے ہوں، اگر تو اس پر فخر کرتی ہے کہ:

اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری

تو پھر تیرا سرور بطحا سے کوئی تعلق نہیں، اسلام تو عورت کی پاکیزگی کا اس قدر محافظ ہے کہ اسے نابینا آدمی کے سامنے جانے کی بھی اجازت نہیں دیتا، تعلیم حاصل کرنا تیرا فرض ہے مگر ایسی تعلیم نہیں جو تیری روح کو کچل دے، جو تیری نسوانیت کے نازک آبگینوں پر خشت اندازی کرے۔ اقبال فرماتے ہیں۔

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اہل نظر موت

اسلامی معاشرہ اور غیر مسلم رعایا:

تاریخ عالم کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ دوسری تہذیبیں اقلیتوں کے ساتھ انتہائی وحشت ناک سلوک کیا کرتی تھیں قدیم بابلی تہذیب میں (جب بنی اسرائیل ان کے اسیر تھے) اقلیتی قوم پر ظلم وستم کی انتہاء کی جاتی تھی، انہیں بتوں کی پوجا پر مجبور کیا جاتا تھا اور جو انکار کرتا اسے نذر آتش کر دیا جاتا، ان کی عزت و آبرو کو پامال کیا جاتا تھا، یونان جو تحفظ انسانیت کا داعی تھا وہاں بھی اقلیتوں کی حالت دیدنی تھی، مشہور فلسفی ارسطو نے معاشرے کی بقاء کیلئے ”غلام“ کے وجود کو ناگزیر قرار دیا ہے۔ یونانی جس قوم کو فتح کرتے وہی ان کی غلام ہوتی تھی، ان سے ہر طرح کا کام لیا جاتا اور جو آزادی کا طلبگار ہوتا اسے مار مار کر نیم جان کر دیا جاتا، رومی سلطنت پر ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔ مصر کی قبطی تہذیب تاریخ عالم میں اپنی مثال آپ تھی مگر مصر کے فرعون بنی اسرائیل پر از حد ظلم کرتے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیا میں جلوہ گر ہونے والے تھے تو فرعون مصر نے ہزاروں کی تعداد میں معصوم بچوں کو قتل کیا۔ پھر جب صہونیت غالب آئی تو اس نے بھی اقلیتوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا۔ یہودیوں کی کتاب میں تعلیم دی گئی ہے۔ ”سو اب تو جا اور عمالیق کو مار اور سب کو قتل کر، ان پر رحم مت کھا بلکہ ہر مرد، عورت، بچے، بیل، بھیڑ، اونٹ گدھے تک کو ختم کر دے۔“

(سموئیل اول ۱۵)

آج تک اسرائیل اسی تعلیم پر عمل پیرا ہے، یہودیوں نے وہ علاقہ اہل اسلام کیلئے مصائب کا گھر بنا دیا ہے۔ اپنے پڑوسی ''بھارت'' کی تاریخ پڑھ لیں کالی دیوی کے ''سپوت'' نہتے انسانوں پر ہاتھ صاف کرنا اپنی بہادری تصور کرتے ہیں۔ کشمیر میں مسلم خون کو پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کی عبادت گاہیں محفوظ نہیں۔ انہیں معاشی، سیاسی اور معاشرتی مسائل سے دوچار کیا جا رہا ہے کہ کہیں یہ سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہ ہو جائیں اور ہندوؤں کے تکبر کو خاک میں ملا کر اور ''پاکستان'' نہ تعمیر کر لیں، غیروں کے حقوق کا احترام کرنا درحقیقت دامن اسلام سے ہی وابستہ ہے کہ ؏

انت فہیم نے عدو کو بھی لیا دامن میں

اسلامی عساکر جہاں حملہ آور ہوتے عورتوں، بوڑھوں، بچوں، فصلوں جانوروں اور جایدادوں کو نظر اٹھا کر نہ دیکھتے تھے، جو مقابلہ کرتا اسے جواب دیتے، جس کی حفاظت کا ذمہ لیتے اس کی حفاظت اپنی جان سے بڑھ کر کرتے تھے، اس لئے کہ انہیں اپنے آقا کا فرمان یاد تھا۔ ''جس نے معاہد (جس سے معاہدہ کیا گیا ہو) کو قتل کیا لم یرح رائحة الجنة ''وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا'' حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک محسوس ہوتی ہے۔ (کتاب الجہاد والسیر)

حضور کے ظاہری دور مبارک میں ایک ذمی نے آپ پر جادو کیا مگر آپ نے اس کے قتل کا حکم صادر نہیں فرمایا، اس لئے کہ معاہدہ ہو چکا تھا، ویسے بھی آپ ذاتی معاملات میں درگزر فرماتے تھے۔ جب مدینہ منورہ میں یہودیوں کی ریشہ دوانیاں حد سے بڑھ گئیں تو پھر آپ نے شہر بدر کر دیا۔ وہ اس طرح کہ انہیں مال و جائیداد فروخت کرنے کا مکمل حق حاصل تھا۔ ورنہ آپ چھین بھی سکتے تھے، فرمایا ''اب تم اسلام قبول کرو تو محفوظ ہو جاؤ گے ورنہ چلے

جاؤ، ان الارض لله و رسوله زمین تو اللہ اور اس کے رسول کی ہے'' (بخاری، کتاب الجہاد)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کیا گیا کہ '' کوئی وصیت فرمائیں'' آپ نے فرمایا '' میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا عہد نبھانا، کیونکہ یہ تمہارے نبی کا عہد ہے'' (اس عہد سے مراد ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک روا رکھنا ہے) (کتاب الجہاد)

یہ اسلام کی عظمت ہے کہ اس کے معاشرتی، سیاسی اور مذہبی نظام کو آج تک چیلنج نہیں کیا گیا بلکہ اس کا لوہا مانا گیا ہے۔ ایک ہندو اچھوت لیڈر مسٹر کے سکا مارن رقمطراز ہے:

'' میرے خیال میں دنیا میں اسلام ہی ایک مذہب ہے جو ہمیں نجات دے سکتا ہے اور اس کی آغوش میں ہم سیاسی، معاشرتی اور مذہبی رخصت حاصل ہیں۔ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس میں اخوت و مساوات اور عملی ہمدردی اس قدر بلند درجہ پر پہنچ گئی ہو جیسی اسلام میں ہے'' (الامان دہلی ۲۳ نومبر ۱۹۳۱)

حضور ﷺ کی برکتوں سے ایسا معاشرتی نظام دیکھنے میں آیا جس نے انسان کو اس کا بھولا بسرا مقام یاد دلایا، آپ نے لوگوں کو تنگیوں سے نکال کر خوشیاں عطا فرمائیں۔ رسوم و رواجات کی زنجیریں توڑ کر سیدھی سادی زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا، قرآن پاک میں ارشاد ہے **ویضع عنهم اصراهم والا علال التی کانت علیهم۔** '' آپ نے بوجھ اتار دیئے اور (مصائب کے) طوق ان کی گردنوں سے اتار کر دور پھینک دیئے۔ حضور ﷺ خود فرماتے ہیں '' میری مثال اس آدمی جیسی ہے جو اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا میں بچشم خود ایک لشکر دیکھ کر آیا ہوں اور تمہیں اس سے ڈراتا ہوں لہذا اپنے آپ کو بچالو۔ ایک گروہ نے اس کی مانی اور نجات پا گیا۔ دوسرے نے اسے جھٹلایا اور تہ تیغ کر دیا گیا'' (کتاب الرقاق)۔

اور فرمایا "میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے رہا ہوں اور تم ہو کہ اس میں گرتے ہی جا رہے ہو۔" (بخاری کتاب الرقاق)

✪☆✪

اسلام کے خصائص

اسلام ہی دین توحید ہے

کسی مذہب کی صداقت کا معیار اور اس کی سچائی کی دلیل صرف مسئلہ توحید ہے۔ اب تو دوسرے مذاہب والے بھی اس حقیقت کو ماننے پر مجبور ہیں مگر اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس نے توحید کو مکمل طور پر بیان کیا ہے۔ اسلام بتاتا ہے کہ جملہ انبیاء ورُسل کی دعوت صرف مسئلہ توحید کی طرف تھی۔

☆ ''تجھ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اسے یہی وحی کی میرے سوا اور کوئی معبود نہیں لہذا تم سب میری ہی عبادت کرو'' (۲۵:۲۱)

☆ ''اللہ ہی کی عبادت کرو اور اللہ کی عبادت میں کسی شے کی ذرا بھی ملاوٹ و آمیزش اور شرک نہ کرو'' (۳۲_۴)

سورہ اخلاص اس سلسلہ میں اہم ترین مضمون ہے۔

مندرجہ بالا سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ الوہیت، ربوبیت ورحمانیت، ولایت اورقدرت میں اللہ تعالیٰ واحداوروحید ہے۔

یہ اسلام کی توحید ہے جس کا ثبوت قرآن سے ملتا ہے اور جس کی تائید علم وعقل اور سمع سے ہوتی ہے۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے توحید کو مکمل طور پر بیان کرنے کے لئے توحید فی العبادت، توحید فی الستعانت، توحید فی القدرت، توحید فی التصرف، توحید فی الذات اور توحید فی الصفات کے الگ الگ عنوان قائم کیے ہیں۔

اللہ کو ہر شے پر قدرت حاصل ہے۔ (بقرہ)۔

ہم نے ہر شے کوایک اندازہ پر پیدا کیا۔ (قمر)

اللہ تو میں ہی ہوں میں ہی معبود ہوں اور کوئی بھی معبود نہیں (طٰہٰ) آیت الکرسی اور سورۃ اخلاص اس مضمون کو پوری طرح سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔

تدبر کرنے والے کو پتہ چل جائے گا کہ جو توحید اسلام سکھاتا ہے وہ فلاسفروں کی توحید سے بالکل ارفع واعلیٰ ہے جو جوہر وعرض اور قدیم وحادث وہیوالی اور مادہ کے متعلق الفاظ اور فرضی اشکال کا مجموعہ ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات باقی نہیں رہتیں

اسلام کی توحید کا مسئلہ عیسائیت کی تثلیث کی طرح نہیں جس کو پادری لوگ عقل وفہم سے بالاتر بتاتے ہیں بلکہ اسلام قلب وبصیرت اور سمع وبصر کو مخاطب ٹھہراتا اور اپنی براہین پر اثبات توحید کے ایوان کو استوار کرتا ہے۔

اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے

۱۔ مذہب کا نمایاں جوہر روحانیت ہے کہ اس کے بغیر کوئی مذہب، مذہب کہلانے کا حقدار نہیں۔ دنیا کے تمام قدیم مذاہب نے اس کا دعویٰ کیا۔ یہ الگ امر ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں کہاں تک سچے تھے چونکہ انسان روح و جسم کا مرکب ہے اس لئے ضروری ہے کہ جسم کے ساتھ اس کی روح کی تربیت کے لئے کوئی نظام حیات سامنے آئے۔ سو وہ اسلام کی صورت میں موجود ہے۔

گوتم بدھ کے ہاں روحانیت کا واضح تصور نہیں۔ یہودی مذہب میں توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے بعد اس کا ذکر زیادہ اہتمام سے نہیں ملتا۔ شاید اس لئے کہ افراد امت کا اجماعی حصہ پست فطرتی اور دنیا طلبی میں مشغول تھا۔ زبور میں چند مناجات کے علاوہ سب مناجات میں نفرت اور دشمن کی ہلاکت کا مدعا ملتا ہے عیسائی مذہب میں آسمانی بادشاہت وحکومت کے الفاظ کا ذکر روحانیت کا مظہر ہے لیکن جس انداز میں پیغمبر آخر الزماں ﷺ نے خالق کے ساتھ محبت کا درس دیا وہ اپنی مثال آپ ہے اور یہی درس روحانیت کا شاخسانہ ہے۔

حدیث پاک میں روحانیت کی تعلیم کو الاحسان کے نام سے موسوم کیا گیا۔

”الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک“۔

یعنی احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے پھر اس طرح کہ اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اس میں دو واقعات کا ذکر ہے اولاً انسان اللہ کی نظر رحمت کا منظور ہو جائے۔ ثانیاً انسان اللہ کے انوار رحمت کا ناظر ہو جائے گویا روحانیت کا مقصود رابطہ قلب اور نسبت روح، رب العالمین کے ساتھ درست ہو جائے اور اس کے حصول کا ذریعہ بندگی ہے اب دیکھتے ہیں یہ

بندگی یا عبودیت کیا ہے اسلام نے عبودیت کا بیان صراحت کے ساتھ کیا ہے اس کا مظہر قلب وزبان اور جوارح کو قرار دیا ہے۔ مختصر تفصیل یوں کہ واجبات قلب پانچ ہیں۔

۱۔ نیت، ۲۔ اخلاص، ۳۔ صدق

۴۔ انابت، ۵۔ محبت

واجبات زبان بھی پانچ ہیں

۱۔ واحدانیت اور رسالت کی گواہی،

۲۔ دوامِ ذکر، ۳۔ التزام دعا،

۴۔ تبلیغ، ۵۔ تعلیم

واجبات جوارح بھی پانچ ہیں

۱۔ واجبات سمع۔

۲۔ واجبات بصر، ۳۔ واجبات ذوق۔

۴۔ واجبات اعضاء، ۵۔ واجبات جسم۔

یہ پندرہ اقسام واجبات ہیں جن کے مجموعے کا نام عبودیت ہے۔

روحانیت کے ضمن میں فنا و بقا کا ذکر بھی ضروری ہے۔ حدیث بالا میں فانہ یراک کے الفاظ فنا کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور لفظِ فنا سے مراد لغوی معنی نہیں بلکہ ماسوا کا زائل کرنا اور انائیت سے غائب ہو کر شہود حق تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ توبہ، تذکرہ، ورع، زہد، اخباتِ تبتل اور خوف و رجاء جیسی صفات اسی فنا کے تحت آتی ہیں۔

اسلام میں مشاہدہ توحید پر بہت زور ہے اور کلمہ توحید سے ہی خدا کی الوہیت دل میں قائم ہوتی ہے اور یہی دل کو شرک سے پاک کرتا ہے۔ یہی اثبات کو بقا عطا کرتا ہے اور نفی کو فنا۔ توحید کا بیان یہ ثابت کرتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا انسان اپنی تمام تر عظمت و

جلالت کے باوجود معبود و مسجود نہیں۔ کیونکہ وہ فانی ہے اور معبود و مسجود کو فنا زیبا نہیں۔ توحید کا عقیدہ علم و عقل میں سما جائے تو رغبت تعلیم اور اوامر و نواحی و تصفیہ و تہذیب و استقامت، صبر، تفویض تسلیم و اخلاص، تواضع، فقر و غنا، تاسف و حزن جیسی چیزیں ملتی ہیں اور بقا کی بدولت حیا، رضا، شکر، صدق، ایثار، فتوت، مروت، انسباط، ادب، انس، ذکر، علم و حکمت، تعظیم، سکینہ، طمانیت، غیرت، شوق، ذوق، شہود، سرور، تمکین، مکاشفہ، حیات بالعلم، حیات بالوجود، بسط، صحو، معرفت، یقین، تحقیق جیسے اوصاف نصیب ہوتے ہیں ان پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا کہ اسلام کا نظام روحانیت کتنا وسیع ہے۔

اسلام ہی اخلاق حسنہ کا معلم ہے

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

”بعثت لا تمم مکارم الاخلاق و محاسن الا عمال“.

ترجمہ: میں بزرگ ترین اخلاق اور نیک ترین اعمال کی تکمیل کے لئے نبی بنایا گیا ہوں۔ اسلام نے بتایا کہ اخلاق رذیلہ کے منبع چار ہیں۔

جہل، ظلم، شہوت غضب

جب کہ اخلاق محمودہ کے سرچشمے بھی چار ہیں۔

صبر، عفت، شجاعت، عدل۔

سورہ اعراف میں ارشاد ربانی ہے۔ **”خذا لعفو و امر بالعرف و اعرض عن الجاهلین“**. ترجمہ: معافی، درگزر کو عبادت بناؤ نیک کام کرنے کی ہدایت کرتے رہو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

’’قیامت کے دن مومن کے ترازو میں سب سے زیادہ وزن دار شے اچھا خلق ہو گا اس سے بڑھ کر اور کوئی شے بھاری نہ ہوگی اللہ تعالیٰ ہر ایک بے حیاء، بدزبان سے بغض رکھتا ہے (ترمذی، ابوداؤد)۔ اسلام فقراء اور مساکین کا حصہ مال زکواۃ میں واجب ٹھہراتا ہے مال غنیمت کے خمس میں مساکین و یتامیٰ کا حصہ لازمی ہے۔ قرض کے تحت زیر بار لوگوں کی رہائی سلطنت اسلامیہ کے ذمہ ہے۔ غلاموں کی آزادی کیلئے زکواۃ کا آٹھواں حصہ مخصوص کیا گیا ہے اسلام پابندی معاہدات پر بہت زور دیتا ہے اسلام کی اخلاقی تعلیم صرف نمود و نمائش کے لئے ہی نہیں بلکہ دل و دماغ کے لئے بھی اتنی ھی ضروری ہے۔ قرآن کریم نے سورہ نساء میں والدین، یتامیٰ، مساکین ھمسائے، رفاقت میں رہنے والے شخص، لونڈی، غلام کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔

بخاری شریف میں ہے جس کی فتنہ پردازی سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہیں وہ صاحب ایمان ہی نہیں۔

اسلام کی تعلیمات پر نظر دوڑائیں

☆ ’’اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں، سب مل کر ان دونوں میں صلح کروا دیں‘‘ (حجرات)

☆ ’’زیادہ بدگمانی سے بچو، کسی کا عیب تلاش نہ کرو اور نہ کسی کی چغلی کھاؤ‘‘ (حجرات)

☆ ’’اللہ کا حکم تمہارے لئے یہ ہے کہ جس کی امانت ہو اسی کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل کے ساتھ کیا کرو‘‘ (النساء)

یہ ہیں وہ اخلاق حسنہ جن کی تکمیل اسلام نے قولاً و فعلاً فرمائی ہے اور جن پر قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے عمل کر کے دکھایا۔ اسلام کے سوا دیگر مذاہب کی تاریخ کے اوراق کیا

دکھلاتے ہیں اہلِ نظر خود آنکھ کھول کر دیکھ لیں۔

اسلام ہی نے رحم و عدل کے مسئلہ کو حل کر دیا

موجودہ عیسائیت کی بنیاد دو اصولوں پر ہے۔

۱۔ آدم نے گناہ کیا اور اس کی تمام نسل اُسی گناہ سے آلودہ ہے۔

۲۔ رحم خداوندی کا تقاضا ہے کہ انسان گناہ سے پاک ہو مگر عدل کا تقاضا ہے کہ گناہ کا خمیازہ بھگتے۔

اللہ نے اپنے بیٹے کو دنیا میں بھیجا۔ اس نے دکھ درد اپنے اوپر برداشت کیے اور گنہگاروں کا کفارہ بنا عدل پورا ہو گیا اور رحمِ خدا نے گنہگاروں کو معاف کر دیا۔

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے

آدمؑ نے غلطی کی توبہ کی۔ گناہ سے پاک ٹھہرے لہذا بنی آدم کو گناہ ورثہ میں ملنا غلط ہے۔ عدل و رحم کے بارے میں اسلام نے بتایا کہ بے گناہ کو گناہگار کے بدلے سزا ملنا سراسر زیادتی ہے۔

حقوق اللہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور حقوق العباد کے معاملہ میں اللہ عدل سے کام لیتا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے "شہید کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں مگر قرضہ نہیں"

حقوق کی یہ جداگانہ تقسیم اور ہر تقسیم کا رحم و عدل کے تحت ہونا ایک ایسا فیصلہ ہے جو صرف اسلام ہی نے صادر کیا ہے۔ ورنہ موجودہ عیسائیت یا آواگون کے چکر میں گھومنے والوں نے تو مسئلہ کو سخت پیچیدہ اور ناقابلِ حل بنا دیا تھا۔

اسلام ہی علم اور علماء کا حامی ہے

موجودہ دور میں علم کی اہمیت کو جملہ اقوام عالم نے تسلیم کیا ہے مگر جس زمانہ میں اسلام کا آغاز عرب وحجاز میں ہوا اس وقت تمام دنیا فضیلتِ علمی کے راز سے بالکل غافل تھی۔ عرب تو اس فضیلت سے بالکل مبرا تھے، یہودی اور عیسائی بھی تعلیم سے نا آشنا تھے۔ رہے پادری تو ان کا علم بھی صرف انجیل کے چند اسباق تک محدود تھا۔ ہندوستان میں بڑی ترقی کے باوجود مہابھارت اور رامائن کے قصے منتہائے علم سمجھے جاتے تھے۔ اسلام ہی نے علم کو اپنی سرپرستی میں لیا اور اسلام ہی علماء کا مامن وملجا ٹھہرا، یہود وہنود کی کتابوں میں انسانوں کو دیوتاؤں اور فرشتوں کے پرستار اور پجاری کی شکل میں دکھایا گیا ہے مگر اسلام نے بتایا کہ ابو البشر تو ملائکہ اور دیوتاؤں کا مسجود ہے کیونکہ یہ صفت علمیہ میں ان سے بڑھ گیا ہے۔

علم کی فضیلت اس ارشاد ربانی سے آشکار ہے

"یرفع الله الذین آمنو امنکم و الذین اوتو العلم درجات"۔ (مجادلہ)

"اللہ درجات بلند فرماتا ہے ان کے جو تم میں سے ایمان والے ہیں اور ان کے جن کو علم ملا ہے" قرآن پاک میں انبیاء کی مختلف دعاؤں کا ذکر ہے لیکن حضور ﷺ جو خلاصہ موجودات اور سرور کائنات ہیں کہ دعا سب سے الگ اور جامع تر تھی، رب زدنی علما "اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما" (طٰہٰ) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم کا درجہ جملہ نعمائے عالیہ سے برتر ہے۔

اسلام ہی ہے جس نے علوم کی عام تعلیم دی ہے اور سابقوں الاولون اور انصار و مہاجرین کے علوم کو نومسلم اور نومفتوحہ علاقوں میں پوری فیاضی کے ساتھ پہنچایا۔ امام بخاری،

امام ابو حنیفہ، بوعلی، زجاج، ابو الفرج، ابن خلدون امام مسلم، امام ابو داؤد ان میں سے کسی کا وطن عرب نہیں اندرون ہندوستان سے لیکر انتہائے سوڈان تک اور بلادِ خراسان سے لے کر سرحدِ مراکش تک درس علمیہ کا افتتاح خیر القرون میں ہی ہو گیا تھا۔ بغداد میں سلطنت عباسیہ، اندلس میں سلطنت امویہ اور مصر میں سلطنت فاطمیہ علم و فضل کے میدان میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں رہتی تھیں۔ جلی اور خفی علوم کے علاوہ اسلام نے ایک اور علم کا ذکر کیا ہے جو اکتسابی نہیں خالصتاً وہبی ہے اسے علم لدنی کہا جاتا ہے۔

فریفتگان مادہ اب تک نہ مادہ کی حقیقت سے واقف ہوئے اور نہ مادہ کی حرکت کی کوئی توجیہہ پیش کر سکے لیکن اس علم کا عالم روح کی حقیقت کا انکشاف کرتا ہے اور الروح من امر ربی بتاتا ہے۔

اسلام ہی دین عمل ہے

اسلام دین علم تو ہے ہی لیکن اگر علم کے ساتھ عمل شامل نہ ہو تو اس علم کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اسلام نے توکل کی تعلیم دی، یہ سمجھ لیا ہے کہ اسلام عمل کے منافی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں اسلام تو کہتا ہے۔

"وان لیس الانسان الا ما سعیٰ وان سعیه سوف یریٰ". (نجم)

ترجمہ: نہیں ہے انسان کیلئے مگر وہ جو اس نے کوشش کی اور بے شک وہ اپنی کوشش ضرور دیکھ لے گا۔

"ولکل درجات مما عملوا". (انعام)

ترجمہ: ہر ایک کیلئے ان کے عمل کے موافق درجہ ہیں۔

اسلام نے عمل دنیا اور عمل آخرت دونوں کی ترغیب دی ہے۔

"ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة".

ترجمہ: اے رب ہم کو دنیا بھی اچھی دے اور آخرت بھی اچھی دے۔

محنت و مشقت کرنا مال کمانا اور ورثاء کیلئے مال چھوڑ کر مرنا بیع و شرئی کے احکام، خرید و فروخت کے احکام یہ سب چیزیں ثابت کرتی ہیں کہ اسلام دین عمل ہے۔ مہاجرین اولین تجارت پیشہ تھے جبکہ انصار اولین زراعت پیشہ تجارت اور زراعت کس قدر محتاجِ عمل ہیں اہلِ خرد خوب جانتے ہیں، صحابہ اکرام کا طرز زندگی ظاہر کرتا ہے کہ وہ عمل دنیا اور عمل آخرت کے کس قدر شیدا تھے کیا اس کے مقابلہ میں بدھ ازم کوئی شرف رکھتا ہے جس نے گداگری کو رواج دیا یا وید کی تعلیم جس نے عمر کے آخری ربع میں انسان کا بن باسی ہونا ضروری بنایا۔ یا عیسائیت کے پاس اس تعلیم کی کوئی توجیہہ موجود ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزرنا آسان ہے مگر دولت مند کا آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل تر ہے یہ جامعیت صرف اسلام ہی کی خصوصیت ہے۔

اسلام ہی بانی اخوت ہے

حقیقی اخوت وہ ہے جو اتحادِ عقیدہ کی بنیاد پر پائی جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے فیضان محبت سے اسلام میں داخل ہونے والوں میں جو اخوت قائم ہوئی تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

مواخات پر مکہ میں بھی عمل ہوا اور مدینہ میں بھی۔ مواخاتِ مکہ میں مکی اصحاب کی سلسلہ بندی مقصود تھی اور مواخاتِ مدینہ میں مکی و مدنی اصحاب میں وحدتِ اسلامی کا پیدا کرنا ملحوظ تھا۔

ذرا عرب کے حالات پر غور فرمائیں۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے جھگڑے، قریش اور

حرب الفجار، کنانہ اور بنوقیس کی لڑائی، اوس اور خزرج کی لڑائیاں، بنونضیر اور بنوقینقاع کے یہودیوں کی شرارتیں، عرب کے مختلف ملوک کی عداوتیں وغیرہ۔ بعد ازاں ان سب اختلافات کا اٹھ جانا، لڑائیوں کا ختم ہو جانا، بھیڑیوں کا گلہ بان بن جانا، دشمنان جان کا ایمانی وقلبی بھائی بھائی بن جانا، امن عامہ قائم ہو جانا۔ یہ شرف اور امتیاز صرف اور صرف اسلام ہی کو حاصل ہے۔

مہاجرین کیلئے انصار کا جذبہ قربانی کہنے کو تو آسان بات ہے مگر عملاً بڑا مشکل ہے میدانِ جنگ میں اپنے زخمی ساتھی کو پہلے پانی بجھوانا اور اپنی جان دے دینا۔ یہ جذبہ صرف اسلام ہی کے پیروکاروں میں نظر آتا ہے۔ انسانی حقوق کے نام نہاد علمبردار بھائی چارے اور اخوت کے دعوے تو بڑے بڑے کرتے ہیں مگر اس اخوت کی مثال کہاں سے لائیں گے جو اسلام نے پیش کی ہے۔

اسلام ہی نے انسان کی انسانیت کے درجہ کو بلند تر کیا

قبل از اسلام دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں بانیان و ہادیان مذاہب کی شخصیت کے متعلق ایسے اعتقادات پائے جاتے تھے جن کی وجہ سے ایسے لگتا تھا کہ انسانیت کا درجہ اتنا کمزور اور فروتر ہے کہ ان جیسے اشخاص بشریت میں پائے ہی نہیں جا سکتے۔ بلکہ یہ درجہ ان ہستیوں کیلئے ہے جو حقیقتاً انسان نہیں تھے۔ اسطرح اپنے بزرگوں کی عظمت بیان کرتے وقت انسانیت کی تذلیل کی جاتی تھی۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے انسانیت کے درجہ کو بلند کیا اللہ کے برگزیدوں کو انسان بنا کر پھر ان کا مراتب روحانیت میں برتر اور اعلیٰ تر ہونا ثابت کیا۔ انسان سے پہلے جب تک انسانی جسم کے اندر خود الوہیت کا ماحول تسلیم نہ کیا

جائے اس وقت تک کسی برگزیدہ انسان کو رہبری اور ہدایت کا شرف نہیں دیا جاتا تھا۔ مگر اس غلط اصول کا نتیجہ نہایت خطرناک نکلا فرعون اور نمرود کے دعویٰ خدائی اس وجہ سے منظر عام پر آئے۔ اسلام کا مدعا یہ ہے کہ الوہیت کی صفت علیا کا علو بھی قائم رہے اور انسانیت کا درجہ بھی منتہائے عروج تک پہنچ جائے تب یہ تعلیم دی گئی کہ جملہ مقدسین ومتبوعین انسان ہی ہیں۔ اللہ کی مخلوق اللہ کے بندے اسلام ہی کا اعجاز ہے کہ انسانیت ہی شائستہ رسالت ٹھہری، انسانیت ہی علم الٰہی کے نزول کا سرچشمہ ٹھہری اور انسانیت ہی اعمال کی تکمیل وتعمیل کے امتحان میں کامیاب ہوئی۔

اسلام ہی غیر متعصب دین ہے

اسلام کو بدنام کرنے کیلئے اغیار نے اسلام کو تعصب کا دین کہا ہے حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے اسلام نے تعصب کی جملہ اقسام کو برا بتا کران کی نفی کی چند آیات قرآنی ملاحظہ فرمائیے۔

☆ ”اس قوم کی نفرت جس نے تم کو کعبہ سے روکا تھا تم کو ادھر کھینچ کر نہ لیجائے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرنے لگو“ (المائدہ)

☆ ”اے ایمان والو معاملات کو پورا کیا کرو“ (المائدہ)

☆ ”دین کے معاملہ میں کسی پر کوئی دباؤ یا سختی نہیں ہدایت اور گمراہی کو صاف الگ الگ واضح کردیا گیا ہے“ (البقرہ)

کیا کوئی دوسرا شخص بھی اپنی پاک کتاب سے ایسی اعلیٰ تعلیمات کی مثال پیش کر سکتا ہے، ملاحظہ ہو وہ معاہدہ جو حضور اکرم ﷺ نے یہودیوں سے کیا تھا۔ یہ وہ یہودی تھے جن پر کسی بت پرست نے رحم کھایا اور نہ مسیح کی امت نے نصاریٰ کے ساتھ معاہدہ سے

اسلام کی بے تعصبی اور بے انتہا رواداری ظاہر ہوتی ہے سرکارِ ختمی مرتبت ﷺ کا غیر قوموں سے حسن سلوک، خلفائے راشدین کا اس بارے میں طرز عمل، حکمرانان امویہ، عباسیہ، اندلسیہ، فاطمیہ، کی شان و شوکت کے زمانوں میں اقوام غیر کا پورے حقوق اور آزادی کے ساتھ صدیوں آباد رہنا۔ کس کس مثال کو پیش کیا جائے۔

اورنگ زیبؒ کو متعصب کہا جاتا ہے مگر اس کے دربار کے ہندو امراء کی فہرست اکبر کے دربار کے ہندو امراء کی فہرست سے زیادہ لمبی ہے۔ اسلام کے غزوات اور سرایا کے حوالے سے اسلام و پر تعصب کا الزام لگانے والوں کیلئے قرآن مجید کی سورۃ حج کا رکوع ۲ پڑھنے کے لائق ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس لئے دی گئی کہ وہ جملہ مذاہب کی آزادی قائم کریں۔ بدامنی دور کریں تاکہ پارسیوں، عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں اور مسلمانوں کی مسجدوں کو کوئی گرا نہ سکے، عیسائیوں کے باہمی اختلافات نے مسیحؑ کی صاف ستھری تعلیمات کو گورکھ دھندا بنا دیا تھا اور ان کیلئے نئے فرقے ایک دوسرے کا گلا کاٹنا اپنے نزدیک مسیحؑ کی خوشنودی کا باعث سمجھتے تھے۔ ایران کے اندر باہمی تعصب، ہندوؤں کی باہمی جنگ و جدال، بدھ مت اور جین مت کا ہندوؤں کی نسلوں کو تباہ کرنا یہ سب تعصب کی خونیں داستانیں ہیں۔ یہ اسلام کی بے تعصبی ہی ہے کہ اسلام کے پیروکاروں نے ان علاقوں پر صدیوں حکومت کی جہاں تمام مذاہب کے لوگ آباد تھے۔ اور وہ خوشحال زندگی بسر کرتے رہے۔ مگر اس کے مقابلہ میں برطانیہ کے لئے آئرلینڈ، سکاٹ لینڈ اور ویلز پر حکومت کرنا از حد دشوار رہا جہاں پر ایک ہی مذہب کے دو فرقے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ آباد ہیں۔

اسلام ہی دین محبت ہے

اللہ رب العالمین [illegible] رحمٰن [illegible] کم وبیش ۱۲۴ اسماء ایسے ہیں

جن میں محبت اور آثارِ محبت کا جلوہ موجود ہے۔ رب العالمین کی محبت کن لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ قرآن پاک بتاتا ہے۔

احسان کرنے والوں کو عدل وانصاف کرنے والوں کو متقین کو، رجوع الی اللہ کرنے والوں کو، صبر کرنیوالوں کو پاک صاف رہنے والوں کو وغیرہ وغیرہ، کون لوگ ہیں جن کو اللہ کی محبت حاصل نہیں ہوتی۔

برائی کی اشاعت کرنے والوں کو، خیانت کرنے والوں کو، شیخی باز اور حیلہ باز لوگوں کو، فساد کرنے والوں کو، ظلم کرنے والوں کو وغیرہ وغیرہ

نبی کریم ﷺ کے ارشادات ملاحظہ ہوں۔

☆ ''جب تک ایمان نہیں تب تک جنت میں داخلہ نہ ہوگا۔ جب تک آپس کی محبت نہیں تب تک ایمان نہیں''

☆ ''جس نے مسلم بھائی کی عزت کو بچایا اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو آتش دوزخ سے بچائے گا''

☆ ''جو شخص کسی مومن کی دنیوی تکلیف دور کرتا ہے اللہ قیامت کے دن کی تکلیف اس سے دور کرے گا جس نے کسی مسلم کی عیب پوشی کی اللہ اس کے عیوب پر دنیا و آخرت میں پردہ ڈالے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، اللہ فرماتا ہے۔

☆ ''میری محبت ان لوگوں کیلئے واجب ہے جن کی محبت میرے لئے ہے جن کا آپس میں مل بیٹھنا میرے لئے ہے، جو میرے لئے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں''

☆ ''جو کوئی خود رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہ کیا جائے گا''

رحم رحمٰن سے نکلا ہے جو کوئی اپنے ہاں کی قرابت رحم کو نہیں جوڑتا وہ رحمٰن سے اپنا تعلق توڑ لیتا ہے اسلام کے سوا کسی کے پاس محبت کی ایسی تعلیم ہے تو پیش کرے۔ یا کم از کم لفظ پریم یا (Love) کی ترکیب لغوی کے اندر محبت کے اتنے وسیع معنے پیش کرے جو لفظ حب میں ہے

اسلام ہی مساوات کا بانی ہے

مساوات کا معنی یہ ہے کہ ہر شخص کو شرعاً، قانوناً اور اخلاقاً وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو کسی دوسرے شخص کو اسی ملک یا اسی دین کے اندر حاصل ہوں۔

تاریخ اسلام مساوات کے حسین واقعات سے عبارت ہے۔ اعلیٰ خاندان کی عورت کو سزا سنانے پر جب سفارش کی گئی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری بیٹی بھی ایسا کریگی تو سزا پائے گی۔ جنگ بدر میں حضرت علی المرتضی اور حضرت ابودرداء سواری پر تھے جب کہ حضور اکرم ﷺ پیدل تھے۔ مساوات کا سب سے بڑا امتحان رشتے داریاں طے کرنے میں ہوتا ہے حضور نے اپنی سگی پھوپھوزاد بہن زینب بنتِ جحش کا نکاح اوّل زید بن حارثہ نامی غلام سے کیا۔

فاروق اعظم کا سفرِ شام مساوات کی زریں مثال ہے غلام سواری پر ہے اور آپ ونٹ کی مہار پکڑے پیدل جا رہے ہیں۔ خلیفہ وقت اپنے تمام کاموں کیلئے عوام کے آگے جواب دہ ہے۔ جلیل والقدر صحابہ کے ہوتے ہوئے غلام ابن غلام اسامہ بن زید لشکر کے سپہ سالار مقرر ہوئے ہیں اسلام ہی ہے کہ مسجد اور قبرستان میں امیر و غریب، شاہ و گدا کا فرق روا نہیں رکھا جاتا۔ اس جیسی سینکڑوں بلکہ ہزاروں مثالیں پیش کی جا سکتیں ہیں۔ اب ذرا ملاحظہ ہو نام نہاد مہذب دنیا کا حال جو انسانی برابری کے دعوے کرتے تھکتی نہیں۔ برطانیہ کے شاہی جھنڈے میں انگلینڈ سکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ شامل ہیں مگر کوئی آئرش آج

تک پرائم منسٹر نہیں بن سکا۔

پوپ ہمیشہ یورپ سے ہی منتخب ہوا اس ملک سے جو بیس صدیوں پہلے خداوند مسیح کا زاد بوم ہے کبھی پوپ نہیں بنایا گیا۔ لارڈ بشپ آف کنٹربری کسی دوسری کالونی کا باشندہ نہیں ہو سکتا، دیسی عیسائیوں اور یورپی عیسائیوں کے گرجا گھر اور قبرستان الگ الگ ہیں۔

یہ اسلام ہی ہے جس میں وحدت اسلامی کے اندر داخل ہونے والے ہر شخص کو خواہ وہ کسی ملک اور قوم کا باشندہ ہو جملہ حقوق میں مساوی اور برابر سمجھا جاتا ہے۔

اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا

انجیل متی میں مسیح کا مشہور قول درج ہے

''جو چیز قیصر کی ہے قیصر کو دو''

ویدوں میں صرف راجا ہی کے اختیارات کی توضیح کی گئی ہے۔ دونوں حوالے شخصی حکومت کو مستحکم بناتے ہیں، یہ اسلام ہے جس نے رعایا کو بھی شریکِ اقتدار کرنے کا تصور دیا ہے۔

''**وامرھم شوریٰ بینھم**'' اور ان کے امور سلطنت باہمی مشورہ پر ہوں گے

خلفائے راشدین کا انتخاب اس کی بہترین مثال ہے مہاجرین وانصار اولین کی ایک کونسل اور فتح مکہ کے بعد دوسری کونسل قائم کی گئی خلیفہ وقت تمام امور میں اس کونسل کے مشورہ اور منظوری کا پابند ہوتا۔ یورپ میں قدیم ترین پارلیمنٹ انگلستان کی ہے مگر یہ پارلیمنٹ بھی خلافت اسلامیہ سے آٹھ، نو صدیوں بعد کی ہے۔

شوریٰ سے کوئی مقدس ہستی بھی مستثنیٰ نہیں، سرکار دوعالم ﷺ جو متبوع کل اور صاحب الشرع ہیں آپ کو بھی مشورہ کا حکم دیا گیا تاکہ کوئی دوسرا اپنے آپ کو اس سے مستثنیٰ نہ سمجھے۔ حدیبیہ سے مکہ کیلئے سفر، میدان احد کا انتخاب وطائف سے محاصرہ اٹھانا، اسیران بدر

ے سلوک اور اس طرح کے ان گنت واقعات شوریٰ کی مرضی سے طے ہوئے۔ اگر آج دنیا ں جمہوری طرزِ حکومت کی خوبیوں پر متفق ہے تو جملہ اقوام عالم پر یہ اسلام ہی کا احسان ہے۔

اسلام ہی کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی ہے

دنیا میں حکمرانی کیلئے تین چیزوں کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے:

☆نسل ☆زبان ☆رنگ

ہندوستان میں برہمن عرب میں قریش اور بنی اسرائیل میں بنی لادی نسلی امتیاز کی وجہ سے مشہور ہیں، یہی حال زبان اور رنگ کے معاملہ میں بھی ہے اسلام واحد دین ہے جس نے ان امتیازات کو ختم کیا۔ نسلی امتیاز کے بارے میں فرمایا۔

''انسان اولین کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر اس کی نسل کو ایک حقیر پانی سے چلایا'' (سورہ سجدہ)

مزید فرمایا ''اللہ کے نزدیک سب سے عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے''

زبان اور رنگ کا بھی فیصلہ فرمادیا

''**واختلاف السنتکم و الوانکم**'' بھانت بھانت کی زبانیں اور جدا جدا نگ اسلام کی بنیادی تعلیم نہ اختلاف نسل ہے نہ اختلاف زبان، نہ اختلاف رنگ بلکہ اس کی یادِ خداشناسی پر ہے، یہ شرف بھی صرف اور صرف اسلام کو ہی ہے۔

اسلام ہی اپنے مہد و گہوارہ میں آج تک قائم ہے

مذاہب قدیمہ کے جملہ معدن و مخزن آج اغیار کے قبضہ میں ہیں اور ان مقامات

پر ان مذاہب کا اصلی نشان یا تو بالکل ختم ہو چکا ہے یا دوسری اقوام نے بھی ان مقامات میں سکونت اور ان کے برابر کا درجہ حاصل کیا ہوا ہے۔ زرتشت، گوتم، بدھ جہاں پیدا ہوئے، جہاں ریاضت کی اور اپنا پیغام جہاں سے شروع کیا جن میدانوں میں رشیوں نے ویدوں کے درشن پائے آج وہاں پر کیا ہے۔

اب آپ سرزمین حجاز کو دیکھیں ہر وہ مقام جس کی نسبت ہادی اسلام ﷺ کے ساتھ ہے آج تک وہاں کسی غیر مذہب کا قبضہ نہیں ہوا اور وہ مسلمانوں کے ہی پاس ہے۔ قبضہ غیر کا اثر ملک کی زبان، رسوم اور مذہب پر ہوتا ہے۔ اسلام کو دیکھئے مکہ، مدینہ اور وہ سب مقامات جہاں جہاں رسول پاک ﷺ کے قدم اقدس پہنچے سرتاسر مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔ وہاں کی زبان اور تمدن وہی ہے جو حضور ﷺ کے زمانے میں تھا کتاب وہی ہے جو نبی الامی کی تھی۔ دیگر مذاہب کے مقابلہ میں یہ خصوصیت بھی صرف اسلام ہی کو حاصل ہے۔

اسلام ہی دین تمدن ہے

مختلف ادیان نے تمدن کو روحانیت کا دشمن ٹھہرایا ہے جب ہم لکھتے ہیں کہ گوتم اپنی جوان بیوی اور نوزائیدہ بچہ سوتا چھوڑ کر ریاضت کیلئے جنگل میں بھاگ جاتا ہے تو کیا سمجھ سکتے ہیں کہ اس بیدار دل نے انسان کا مدنی الطبع ہونا معلوم کر لیا تھا، جب ہم انجیل میں خدا کی راہ میں خصی بننے کا ذکر پڑھتے ہیں، جب ہم سینکڑوں لڑکیوں کو ایک پتھر کی مورتی کے ساتھ بیاہی ہوئی دیکھتے ہیں اور قطع نسل انسانی کی تدبیر دیکھتے ہیں تو ہمارے ذہن مں تمدن کا کیا تاثر ابھرتا ہے۔ ایک اسلام ہے جو ان اوہام کو دور کرتا ہے جو مدنیت اور انسانیت کو ترقی کے محل میں سوار کرا دیتا ہے اسلام بتاتا ہے کہ ترک تمدن محض بدعت ہے۔

تمدن کے بارے میں تعلیمات اسلامی ملاحظہ ہوں۔

عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں تنگدستی کے ڈر سے اپنی اولاد کو نہ مارا کرو۔ ماں باپ کے ساتھ عمدہ ترین برتاؤ کرو۔

گناہ اور سرکشی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کیا کرو۔ دنیا میں فساد نہ پھیلاؤ۔ قرابت داروں اور مسکینوں کا حق ادا کرو۔ رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زنا نہیں کرتے۔ جو جھوٹی شہادتیں نہیں دیتے جو دنیا میں فروتنی سے رہتے ہیں۔ غور فرمائیں اسلام نے فوائد تمدن و حفاظت تمدن اور قیام تمدن کے کیسے اصولی احکام دیئے ہیں۔ یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے روحانیت کے ساتھ ساتھ مدنیات کی تعلیم پر بھی پورا زور دیا ہے۔

اسلام ہی نیکی کا مذہب ہے

مذہب صحیحہ کی بنیاد جن اصولوں پر ہوتی ہے ان میں سب سے پہلا اصول نیکی ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔

”نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لیا کرو نیکی تو ان لوگوں کی ہے جو اللہ پر، قیامت پر، ملائکہ پر، کتابوں پر، اور انبیاء پر یقین رکھتے ہیں۔ جو اپنی ضرورت ہوتے ہوئے بھی غریبوں کو، یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافروں کو، مانگنے والوں کو آزادی اور غلاموں میں مال تقسیم کرتے ہیں نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں، عہد پورا کرتے ہیں اور تنگ دستی و بیماری اور جنگ کے وقت صبر کرتے ہیں۔ یہی تو صادق لوگ ہیں اور یہی تو متقی ہیں۔“

”غیر مذہب والوں سے بھی نیکی کرو اور پورا پورا انصاف کرو۔ اللہ تعالیٰ انصاف

کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (الممتحنہ)

نبی کریم ﷺ نے نیکی کے بارے میں جو احکامات دیئے ہیں۔

عظمت الٰہی کا احساس واحسانات الٰہی کی یاداشت، انسانوں سے حسن معاشرت دوسروں کو عزت سے بلانا، لوگوں سے بھلائی، بیٹیوں اور بہنوں کو اچھی تعلیم دینا وغیرہ ہیں اس سب سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام دین البر یعنی نیکی کا دین ہے

اسلام ہی دین التقویٰ ہے

پارسائی کو برباد کرنے والی سب سے بڑھکر شراب ہے پولوس نے شراب نوشی کی تاکید کی ہے۔ جب ہندو دیوتاؤں کو خوش کرنے کیلئے ان پر شراب کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں تو پجاری اور سیوک اسے کیوں استعمال نہ کریں گے۔ بعض ہندو اس کے تعصب کی وجہ سے اسے ''گنگا جل'' کا نام دیتے ہیں۔

اسلام ہی وہ پہلا اور تنہا مذہب ہے جس نے اسے رجس اور ام الخبائث کا نام دیا۔ اسلام نے زنا کو حرام قرار دیا۔

ولا تقربو الزنا ''زنا کے قریب بھی نہ جاؤ''

کسی عورت کا کوئی آشنا نہ ہو اور کسی مرد کی کوئی آشنا نہ ہو فحش کی کھلی، چھپی سب قسموں کو میرے رب نے حرام قرار دیا ہے۔ اسلام نے شراب اور زنا کو حرام قرار دے کر اس بات کا اعلان کیا ہے کہ یہ دین تقویٰ ہے مگر تعجب ہے کہ اسلام پر اعتراض وہ کرتے ہیں جو عبادت گاہوں میں بھی ننگی تصویریں بنواتے ہیں اور ننگے اشنان کرتے ہیں جبکہ اسلام نے ان لوازمات کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ جن کی وجہ سے زنا کا خیال پیدا ہو سکے، معترضین

اسلام پر ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ اسلام نے ایک سے زیادہ عورتوں کو بیوی بنانے کی جازت دی ہے اور اعتراض کرنے والے وہ ہیں جو حضرت داؤد کی سو بیویوں، حضرت سلیمان کی ایک ہزار بیویوں، کرشن مہاراج کی سولہ ہزار ایک سو آٹھ سکھیوں پر اعتراض نہیں کرتے جبکہ ان کے مذہب میں ایک سے زائد بیوی کیلئے کوئی شرط نہیں جبکہ اسلام میں شرط عدل موجود ہے کہ اور اس شرط کے احتمال فقدان پر بھی لفظ فواحدۃ کا ارشاد ہے۔ کوئی مذہب ہے جو مسیح یا موسیٰ یا کرشن و رام چندر کے منہ سے نکلی ہوئی بات فواحدہ کے ہم معنی ثابت کر سکے۔

اسلام ہی سچائی کا مذہب ہے

علم وعمل کی موافقت باہمی، دل وزبان کی مطابقت، سر وعلانیہ کے مساوی ہونے کا نام صدق ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

☆ ’’اللہ نے تو سچ فرمایا ہے‘‘ (آل عمران)

☆ ’’اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا‘‘ (احزاب)

☆ ’’نبی وہ ہے جو صدق لے کے آیا اور اس کی تصدیق بھی کی‘‘

☆ ’’اہل صدق کا ساتھ دو‘‘

☆ ’’صدق نیکی کی راہ دکھلاتا ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے‘‘۔

’’جو چیز شک پیدا کرے اسے چھوڑ دو اور جس میں شک نہ ہو وہ لے لے،

کیونکہ صدق ’’تو طمانیت کا نام ہے اور کذب شک کو کہتے ہیں‘‘ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صدق کی شان بلند کے اظہار میں اسلام نے کیسے کیسے اسلوب بدیع سے کلام فرمایا ہے اور

اس سے عہد حاضرہ کے ان فلاسفروں کا مطالبہ بھی پورا ہو جاتا ہے کہ دینِ طبعی کیلئے صدق کا ہونا شرط ہے۔

اسلام ہی دین حسن و جمال ہے

لوگوں نے صرف عورتوں کے خط و خال اور ناز و انداز کا نام حسن رکھ چھوڑا ہے۔ اسلام حسن کا ایک بلند درجہ تجویز کرتا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں یہ جہاں سرتاپا حسن کا پیکر ہے اور عالم کی ہر شے آئینہ دار جمال ہے۔

''ہم نے انسان کو سب سے زیادہ خوش نما ڈھانچے پر پیدا کیا''

''اللہ نے تمہاری صورتیں بنائیں اور ان کو کتنا اچھا بنایا''

بیوی کے بارے میں فرمایا

''تاکہ اس سے آرام پاؤ اور آپس کی محبت اور پیار بھی تم کو عطا کیا''

''گھوڑے، خچریں، گدھے بار برداری اور سواری کا کام بھی دیتے ہیں اور سب زینت بھی ہیں'' (سورہ نحل)

''جتنی چیزیں بھی زمین پر ہیں، ہم نے زینت بنایا ہے تاکہ انسانوں کا امتحان لیں کہ ان میں سے کون کون اچھے اعمال والا ہے''

''ہر شے کو اس کی اپنی خلقت، اپنی بناوٹ میں بہت خوشنما اور بہت خوب بنایا ہے'' (سجدہ)

اسلام بتاتا ہے کہ کائنات کی ہر شے اپنی وضع، رنگ، خواص، آواز اور افعال میں اس قدر حسین و جمیل اور زیبا پیکر ہے کہ چشمِ انتخاب کو ترجیح دینا دشوار ہے۔

اسلام ہی وہ فیض رساں دین ہے' جس سے اقوام عالم نے بالواسطہ فیوض بھی حاصل کیے

اسلام رحمت للعالمین کا سکھایا ہوا دین ہے۔ اس کے احکام جملہ اقوام عالم کیلئے رحمت ہیں اسی لئے اقوام عالم نے اسلام سے متواتر فیوض حاصل کیے، پارسیوں میں غیر معینہ مدت سے محرمات ابدیہ کی حدود ٹوٹ چکی تھیں، دارا نے سکندر کو ''اپنے لئے پرورش کی ہوئی'' اپنی بیٹی بیوی بنانے کیلئے پیش کی۔ ایران میں مزدکیہ مذہب اسی لئے جلد مقبول ہو گیا تھا کہ ملک میں پہلے سے محرمات ابدیہ کی حرمت اور احترام کا کوئی وجود نہ تھا۔ مزدکیہ کے نزدیک ہر مرد ہر عورت سے تمتع حاصل کرنے کا فطری استحقاق رکھتا تھا۔

سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں ہندو فرقوں کے وہ ناپاک نام بیان کئے ہیں۔ قلم جن کو نقل نہیں کر سکتا۔ مندروں میں ایسی عریاں تصاویر بنائی جاتی تھیں جن کی تقلید سے ابھی تک پیرس اور نیویارک بھی پیچھے ہیں۔

کیا اسلام ہی کی کشور کشائی نے ایران کو ان نعمتوں سے بلند نہیں کیا۔ کیا اسلام ہی کی رہنمائی نے ہندوستان کو دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان عطا نہیں کیے۔

سلطنت رومہ کے ایمفی تھیٹروں میں سنگ دلی کے مجسمے اسلام ہی نے زیر خاک نہیں کیے۔ اسلام ہی کے فیوض نے ان اقوام کی ذہنیت کو بدلا ہے۔ سو سو اور ہزار ہزار بیویوں والے بادشاہوں اور سولہ ہزار سکھیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے والے کرشن جیو کے ماننے والے آج تعداد ازواج کے بارے میں اپنے نقطہ نظر کس سے متاثر ہو کر بدل رہے ہیں یقیناً اسلام ہے جس نے ایک سے زیادہ بیوی کی مشروط اجازت دی ہے۔

مسیح کے پانی کے مٹکوں کو شراب بنانے والے واقعہ کے سنانے والے عیسائی شراب کو لازمی استعمال کرنے والے پولوسی، میدان جنگ میں شراب پینے والے اطالوی، افریقی کیا اسلام کے اس فیض سے انکار کر سکتے ہیں کہ اسلام نے شراب کو ام الخبائث قرار دیا۔ ہرگز نہیں

جمہوریت کے علمبردار بتا سکتے ہیں کہ شورائی نظام کا تصور سب سے پہلے کس نے دیا۔ انگلستان کی پارلیمنٹ جو کہ قدیم ترین پارلیمنٹ ہے پہلے موجود تھی یا مہاجرین وانصار پر مشتمل مشاورتی کونسل؟

دنیا کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا کی تمام قومیں کسی نہ کسی حوالے سے اسلام ہی کے فیوض سے مستفیض اور اس کے خوانِ کرم کی نمک خوار ہیں۔

اسلام ہی نے ہدایت الٰہیہ کو ربوبیت خالقیہ کی طرح کل عالم کیلئے عام بنایا

بنی اسرائیل کے نزدیک وحی ربانی کا شرف صرف اسباط یعقوب کیلئے خاص ہے ایران والے سروش آسمانی کی آواز صرف ایرج ہی کی نژاد تک مانتے ہیں۔ آریہ کے نزدیک آکاس بانی نے صرف گنگا جمنا کی وادیوں کے رہنے والوں کو درشن دیئے، چین والوں کے نزدیک صرف اہل چین ہی فرزند آسمانی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر قوم نے دوسری قوم کو جھٹلایا اور دوسروں کی صداقتوں کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ مزید یہ کہ اسرائیلیوں نے کاہن ہونے کا شرف صرف اولاد ہارون کیلئے خاص کر دیا۔

رومن کیتھولک نے آسمانی کنجیاں صرف پوپ کے ہاتھ میں دے دیں۔

نتیجتاً محبت انسانی گم ہوگئی اور ایک قوم کو دوسری قوم کے ساتھ نفرت ہوگئی۔

اسلام ہی نے ان سب خرابیوں کو دور کیا اور فرمایا

وان من امة الا خلد فیھا نذیر

یعنی ہر ایک بستی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈر سنانے والا، برے افعال کے برے نتائج سمجھانے والا ہو چکا ہے، اسلام نے سب کو مل جانے، ایک دوسرے کا احترام کرنے اور ہر ایک کے ہادی و پیشوا کی تعظیم کرنے کا درس دیا۔ یہود و نصاری ایک دوسرے کو طعنہ دیتے کہ تمہاری بنیاد کس چیز پر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا فیصلہ قرآن پاک میں اسطرح فرما دیا۔

''اے رسول تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیجئے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے رسالت کو نہ پہنچایا۔ اور اللہ تم کو ان لوگوں سے بچائے رکھے گا۔ کہہ دیجئے اے یہودیو، اے عیسائیو، اے اہلِ کتاب ہونے کے مدعیو تم دونوں کچھ بھی نہیں جب تک تورات اور انجیل اور اس کتاب پر جو تمہارے رب نے تمہارے لئے نازل کی قائم نہیں ہو جاؤ گے (۵، ۶۷، ۶۸)

یعنی عیسائی اور یہودی ایک دوسرے کے بارے میں تعصب چھوڑ دیں۔ الغرض یہ اسلام ہی ہے کہ تمام جہان کا معبود صرف اللہ کو بتاتا ہے تمام عالم کے سامنے صرف ایک دین پیش کرتا ہے وہ کسی بزرگ کا مکذب نہیں، وہ کسی سابقہ مذہب کا مبطل نہیں سب کو متحد کرکے ربوبیت خالقیہ کی طرح سب سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کاملہ کو منوانے والا ہے۔

* * *

اسلام اور دور حاضر
کے چند حقائق

اسلام چونکہ دین فطرت ہے۔ اس لئے انسان کی دنیوی واخروی حیات کی کامیابی کا ضامن ہے۔ کسی بھی علاقے سے تعلق رکھنے والا، کسی بھی رنگ ونسل، زبان ولباس کا حامل فرد جب بھی اپنی فطرت کے آئینے میں اس کے اصولوں کا عکس دیکھتا ہے تو اس کی حقانیت کو سلام پیش کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں بہت سے حقائق و بصائر جنم لیتے ہیں اور اس کی عظمت کی گواہی دیتے ہیں یوں تو اسلام کی صدیوں پر بھاری تاریخ میں ہزاروں لاکھوں واقعات وآثار ہوں گے۔ جنہوں نے کروڑوں اربوں انسانوں کو نور ایمان سے منور کیا اور قیام محشر تک آنے والی ان گنت نسلوں کے لیے پیغام ہدایت بنیں گے۔ مگر ہم عصر حاضر سے متعلقہ چند ایک واقعات وآثار پر اکتفا کرتے ہیں۔

ا۔ بھارت کے مشہور پنڈت کی گواہی:

روزنامہ نوائے وقت 9 دسمبر 1997ء میں ایک بصیرت افروز خبر شائع ہوئی جس

کے مطابق بھارت کے مشہور برہمن پنڈت وید پرکاش نے کہا ہے کہ ہندوؤں کی مقدس کتابوں نے اسلام کو سچا مذہب قرار دیا ہے۔ ہندو جس ''کالکی اوتار'' کا انتظار کر رہے ہیں وہ جناب رسالت مآب ﷺ کی ذات میں تیرہ سو سال پہلے نمودار ہو چکا ہے۔ ویدوں میں ''کالکی اوتار'' کی تمام نشانیاں آنحضور ﷺ پر پوری اترتی ہیں۔ ہندو مزید انتظار نہ کریں۔ بھارت کے آٹھ بڑے پنڈت عالموں نے بھی وید پرکاش کی تحقیقات کو درست قرار دیا ہے اس تحقیق کی وجہ سے بھارت میں واویلا مچ گیا ہے۔ نئی دہلی سے جی این این کی اس خبر کے مطابق مذکورہ پنڈت نے اپنی کتاب ''کالکی اوتار'' میں اس امر کا انکشاف کیا ہے اس کتاب کا مصنف اگر کوئی مسلمان ہوتا تو اسے یقیناً جیل کی سلاخوں کے پیچھے جانا پڑتا۔ اور اس کتاب پر پابندی لگ چکی ہوتی۔ لیکن اس کتاب کا مصنف ایک ہندو برہمن پنڈت وید پرکاش ہے۔ جو سنسکرت کا ممتاز عالم اور الہ آباد یونیورسٹی میں ایک اہم عہدے پر متمکن ہے۔ اس کی اس مصدقہ کتاب میں ہندوؤں کی مقدس کتابوں کے حوالے درج ہیں۔ مثلاً مقدس کتاب ''ویدا'' میں لکھا ہے۔ بھگوان کا آخری پیغمبر (کالکی اوتار) ہوگا جو پوری دنیا کو راہنمائی فراہم کرے گا۔ مصنف کہتا ہے کہ یہ بات صرف حضرت محمد ﷺ پر صادق آتی ہے۔ ہندوازم کی پیش گوئی کے مطابق ''کالکی اوتار'' ایک جزیرے میں جنم لے گا اور یہ درحقیقت عرب کا علاقہ ہے جو ''جزیرۃ العرب'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ویدا میں ''کالکی اوتار'' کے باپ کا نام ''وشنو بھگت'' اور ماں کا نام ''سومانب'' تحریر ہے۔ سنسکرت میں ''وشنو'' اللہ اور ''بھگت'' غلام کے لیے استعمال ہوتا ہے اس طرح ''وشنو بھگت'' کا عربی ترجمہ عبداللہ بنتا ہے۔ ''سومانب'' امن و آشتی کو کہتے ہیں اور عربی میں اسکا مترادف لفظ آمنہ ہے۔ عبداللہ اور آمنہ رضی اللہ عنہما حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے والدین کریمین کے نام ہیں۔ پھر ''کالکی اوتار'' کے بارے میں کہا گیا ہے کہ خاص پیغام رساں کے ذریعے ''بھگوان انہیں

ایک غار میں علم سکھائیں گے'' یہ بات بھی ان پر صادق آتی ہے جنہیں اللہ کریم نے غار حرا میں حضرت جبریل امین کے ذریعے علم (یعنی قرآن) سے مشرف فرمایا۔ مقدس کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ '' بھگوان'' کالکی اوتار کو تیز رفتار گھوڑا عطا کریں گے جس کی مدد سے وہ اس دنیا کے گرد اور ساتوں آسمانوں کی سیر کریں گے اس میں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے براق اور واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے۔ مزید لکھا ہے کہ'' کالکی اوتار'' گھڑ سواری تیر اندازی اور تیغ زنی میں ماہر ہوگا۔ مصنف پرکاش نے اس پر تبصرہ کیا ہے کہ اس پیش گوئی پر خصوصی توجہ دی جائے کیونکہ گھوڑوں، تیروں، نیزوں اور تلواروں کا دور اب گزر چکا ہے۔ اب ان کی جگہ جدید ہتھیاروں، ٹینک، میزائل وغیرہ نے لے لی ہے۔ ایسی صورت میں نیزوں، بھالوں سے مسلح اوتار کا انتظار غیر دانش مندانہ اقدام ہوگا۔ آخر میں مصنف نے دعوت دی ہے کہ حقیقت میں کالکی اوتار سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی ذات گرامی ہے اس لیے اب تمام ہندوؤں کو فوراً اسلام قبول کر لینا چاہیے۔ یہ خبر روزنامہ جنگ 10 دسمبر 1997ء میں بھی شائع ہو چکی ہے۔

۲۔ اسلام ہی دین برحق ہے۔

☆ فانٹس یونیورسٹی ہالینڈ کے ایک پروفیسر نکولس پیٹرس نے'' اسلام ہی سچا دین ہے'' کہہ کر اسلام قبول کر لیا۔ تفصیلات کے مطابق بزنس کمیونیکیشن کے مذکورہ پروفیسر سیر و سیاحت اور اسکندر اعظم کے مفتوحہ علاقوں کے مطالعاتی دورے پر منڈی بہاوالدین (پنجاب آئے ہوئے تھے، انہوں نے جامع مسجد الفلاح میں سینکڑوں افراد کی موجودگی میں مولانا عبدالماجد کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ان کا اسلامی نام عبداللہ رکھ دیا گیا، انہوں نے 1987ء میں قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا تو ان کے دل میں اسلام کی حقانیت سرایت کر گئی مزید اسلامی [illegible] کہ اسلام ہی سچا دین ہے

۔(نوائے وقت 11 جون 1999ء)۔

☆ لندن ایم ایل آئی کیمطابق عالمی شہرت یافتہ برطانوی گلوگار ''مورک مورسیر'' نے اسلام قبول کرلیا۔ انکا کہنا ہے کہ دنیا بھر کی راحتوں آسائشوں کے باوجود دلی تسکون نہیں تھا، اسلامی لٹریچر کے مطالعہ نے روح کو اطمینان عطا کیا۔ انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ اسی گوہر نایاب (یعنی اسلام) کی تلاش تھی۔ انہوں نے دیگر مذاہب کے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ بھی اس فلسفہ حیات کو اپنالیں، ان کا اسلامی نام عبدالرحمان رکھ دیا گیا۔

۳۔ واشنگٹن کا پڑپوتا مسلمان ہوگیا۔

کویت اے این این کیمطابق سابق امریکی صدر جارج واشنگٹن کے پڑپوتے جارج اشقون نے اسلام قبول کرلیا۔ اس نے سعودی ریڈیو کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ مرحوم بوسنیائی دوست عثمان کا غسل دیکھ کر عین اس وقت کلمے کی دولت نصیب ہو گئی۔ دشواریوں کے باعث تاخیر ہوئی مگر اب قبول اسلام کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔ قبول اسلام کے بعد صرف بوسنیا کے مسلمانوں کے بارے میں نہیں ساری دنیا کے مسلمانوں کے بارے میں مدد کا بے پناہ جذبہ پیدا ہوگیا۔ جارج اشقون نے ایک مضمون بھی لکھا ہے جس میں اس نے مسلمانوں پر ٹوٹنے والے ظلم وستم کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

☆ میں نے ٹی۔ وی پر دیکھا کہ سرائیو میں خواتین اور معصوم بچوں نے روٹی حاصل کرنے کے لئے جو لائن لگائی تھی اس پر سربوں نے زبردست گولہ باری کی۔ اس خبر نے میرے احساسات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

☆ جب میں نے صحافتی زندگی میں قدم رکھا تو ایک کیمرہ مین کی حیثیت سے رسالہ ٹائم کی طرف سے لبنان کی خانہ جنگی کی تصویریں کھینچنے کے لیے بیروت جانا پڑا

۔ ایک عرب اور مسلمان ملک کے سفر کا تصور کر کے مجھے خوف اور گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اس لیے کہ امریکی فلموں اور میڈیا نے میرے دل و دماغ میں یہ بات اچھی طرح بٹھا دی تھی کہ مسلمان تشدد پسندانہ اور ظالم ہوتے ہیں۔ وہ انتہائی جنگلی اور جاہل ہوتے ہیں۔ انسانی جذبات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن لبنان میں داخل ہوتے ہی میرے تمام نظریات و تصورات یکسر باطل ثابت ہوئے۔ میں نے خود مشاہدہ کیا کہ مسلمانوں اور عربوں کے بارے میں مغربی میڈیا نے جو تاثرات دیئے ہیں وہ جھوٹ اور گمراہ کن پروپیگنڈہ ہے۔ لبنان میں جن مسلمانوں نے ہم سے ملاقات کی انہوں نے ہمیں خطرات سے بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ میرے کھانے پینے اور راحت و آرام کے تمام وسائل مہیا کیے۔ میں عیسائی فوجوں کی گولی سے زخمی ہوا تو مسلمانوں نے میرا علاج کروایا۔ مجھے اپنے خاندان کا ایک فرد سمجھا۔ روزنامہ نوائے وقت میں چھپنے والا یہ سارا مضمون اہل اسلام اور اہل کفر کے کردار پر روشنی ڈالتا ہے اور بتاتا ہے کہ اسلام نے اس دور زوال میں بھی اپنے نام لیواؤں کو اخلاقی قدروں سے بیگانہ نہیں ہونے دیا۔ اور مغرب کی نظر میں ''وحشی و جنگلی مسلمان'' ان ترقی یافتہ قوموں کی نسبت اب بھی انسانیت کے زیادہ محافظ ہیں۔

۴۔ سپین میں اسلام کا اجالا۔

سپین میں ظالم عیسائیوں نے سولہویں اور سترہویں صدی میں اسلام و اہل اسلام پر ظلم کے پہاڑ توڑے اور بالآخر انہیں وہاں سے نکال دیا، لیکن جہد بسیار کے باوجود اسلام کے اثرات ختم نہ کر سکے۔ تاریخ کا قاری انصاف کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کرے تو اسے معلوم ہو گا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے بعد عیسائیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ سلجوقی و عثمانی حکمران یورپی علاقوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے تھے، جب کہ عیسائیوں نے [illegible] علاقوں میں مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا۔ یہ

مطالعہ بتا دے گا کہ کون وحشی ہے اور کون امن و امان کا ضامن۔ سپین میں صدیوں کے بعد اب پھر اسلام انگڑائی لے رہا ہے، جمود ٹوٹ رہے ہیں، غرناطہ کے قصر احمر کی اداس رتوں پر قدرت کو رحم آ رہا ہے، قرطبہ کی جامع مسجد کی خاموش آہیں سینہ فلک میں شگاف ڈال رہی ہیں۔ دریائے کبیر کی لہروں میں امید کے گوہر پرورش پا رہے ہیں۔ اسلام فروغ حاصل کر رہا ہے۔ مسلمانوں کی تعداد دوگنا ہو گئی ہے۔ آٹھ سال میں ایک سو مساجد تعمیر کی گئی ہیں۔ مسلمان تجارت میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ سڑکوں پر باریش مرد اور باپردہ خواتین دکھائی دینا شروع ہو گئے ہیں۔ حکومت مسلم علاقوں میں اسلامی مضامین کی اشاعت پر راضی ہو گئی ہے۔ موجودہ نسل کو شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ ان کا نسلی تعلق عربوں کے ساتھ ہے جس کی دلیل ان کی سیاہ آنکھیں ہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو زبردستی عیسائی بنایا گیا تھا۔ خود سپینی ماہرین کا خیال ہے کہ عنقریب یورپ میں مسلمانوں کی زیادہ تعداد سپین میں پائی جائے گی۔ قرآن پاک اور دیگر اسلامی کتابوں کا ترجمہ سپینی زبان میں منظر عام پر آ رہا ہے، ان حالات میں دیکھا جائے تو یہ اسلام کا عظیم معجزہ اور اس کی حقانیت کا بہت بڑا کرشمہ ہے کہ ں سے اس کا نام و نشان ختم کر دیا گیا تھا وہاں ایک بار پھر اس کی کرنیں چمک رہی ہیں۔ ایک وقت تھا جب قرطبہ کی جامع مسجد میں حضرت علامہ اقبالؒ نے اذان دی اور اسلام کے درد سے اسقدر گھائل ہوئے کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے اسلام کے دور زریں ایک ایک لمحہ آنکھوں میں ابھر رہا تھا اور زبان پر اندلس کا نوحہ تڑپ رہا تھا۔ ہمارا ایمان ہے کہ کاتب تقدیر نے شاعر مشرق کے بے تاب آنسوؤں کی لاج رکھ لی ہے۔ اور سپین کو ایک بار پھر اسلام کے دامن میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ آئندہ صدی یہ عجوبہ روزگار بھی دیکھ لے گی انشاء اللہ العزیز۔

☆☆☆

ہم
کیوں
مسلمان
ہوئے

۱۔ پروفیسر صوفی محبوب الٰہی (پاکستان)

(سابق سردار نست سنگھ)

صوفی محبوب الٰہی 17 اکتوبر 1894ء کو ضلع گوجرانوالہ کے معروف قصبہ واہنڈو میں پیدا ہوئے۔ تعلیمی مراحل طے کرتے ہوئے وہ 1916ء میں مشرف بہ اسلام ہوئے جب وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم۔ اے تاریخ کے طالبعلم تھے۔ اسلام اور مسلمانوں سے ان کے قرب کا سبب واہنڈو کے حق شناس بزرگ پیر جلال الدین بنے جن سے صوفی صاحب بہت متاثر تھے اکثر ان کے پاس جا کر بیٹھتے حتیٰ کہ ان سے نقشبندی انداز میں ذکر کرنے کا طریقہ بھی سیکھ لیا۔ اسی زمانے میں گوجرانوالہ کے ایک صاحب قاضی عالم دین نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مکتوبات اردو میں ترجمہ کر کے شائع کر دیے۔

صوفی صاحب نے یہ کتاب قاضی صاحب سے عاریتاً طلب کی اور بعد میں یہی کتاب ان کے قبول اسلام کا محرک بن گئی فرماتے ہیں ''یوں تو سارے خطوط ہی اپنے اندر معانی کے سمندر سموئے ہوئے ہیں لیکن بعض فقروں نے قلب و ذہن پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ مثلاً فقر خادم شریعت ہے قیامت کو شریعت کے حوالے سے سوسال ہوگا نہ کہ فقر کی نسبت سے اگر اسی ایک فقرے کو سیاق و سباق سے دیکھا جائے تو سارے اسلامی فلسفہ کی ماہیت سمجھ میں آ جاتی ہے۔

مکتوبات امام ربانی کے مطالعہ سے جب صوفی صاحب اسلام کے بہت قریب آ گئے تو راولپنڈی کے صاحب دل بزرگ حافظ عبدالکریم (عیدگاہ شریف) کی مجلسوں میں بھی بیٹھنے لگے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں دوران تعلیم صوفی صاحب نے 24 نومبر 1916ء کو قبول اسلام کا اعلان کر دیا۔ اور حافظ عبدالکریم صاحب کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی۔ صوفی صاحب کے قبول اسلام کا اعلان پورے خاندان اور سکھ برادری میں زبردست دھماکہ ثابت ہوا اور آپ کو مسلمان ہو کر گاؤں آنے پر قتل کی دھمکی دی گئی مگر آپ کے یقین و ایمان کی پختگی کا یہ عالم تھا کہ آپ نہ صرف بے دھڑک اپنے گاؤں گئے بلکہ تبلیغ اسلام کا کام بھی کھلم کھلا شروع کر دیا۔ موصوف اپنے مؤقف پر مستقل مزاجی سے ڈٹے رہے۔ حتیٰ کہ مخالفوں کے سارے طوفان اس چٹان سے ٹکرا کر ختم ہو گئے۔ مختلف سرکاری ملازمتوں کے ساتھ ساتھ صوفی صاحب نے بقیہ ساری زندگی تبلیغ اسلام میں گزار دی۔ 1920ء میں صوفی صاحب حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ سے ملے۔ علامہ صاحب نے آپ پر خصوصی توجہ فرمائی۔ 7 نومبر 1974ء کو صوفی صاحب نے گوجرانوالہ میں انتقال فرمایا۔

۲۔ پروفیسر غازی احمد (سابق کرشن لال)

(پاکستان)

میں 1922ء میں ضلع جہلم کے گاؤں میانی میں پیدا ہوا۔ ابتدائی کی عمر ہی سے میرا رجحان خود بخود دین اسلام کی طرف ہونے لگا یکم مارچ 1983 کی رات تھی میں نے ایک سہانا اور مبارک خواب دیکھا۔ میں مکہ معظمہ میں بیت اللہ کے عین سامنے کھڑا ہوں۔ سیدالاولین والاخرین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ دیوار کعبہ سے تکیہ لگائے مرے سامنے جلوہ افروز ہیں اردگرد صحابہ کرام تشریف فرما ہیں ۔ میں والہانہ جذب وشوق کے عالم میں سیدالانبیاء کی بارگاہ اقدس میں پہنچتا ہوں۔ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوں تو حضور ﷺ میرا ہاتھ تھام لیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں ''کہو کیسے آئے'' ''مشرف بہ اسلام ہونے کے لئے'' میں عرض کرتا ہوں یہ سن کر آپ کا روئے انور وفور مسرت سے چمک اٹھتا ہے آپ میرا ہاتھ اپنے مقدس ہاتھوں میں تھام کر کچھ پڑھتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں ''بس اب تم دولت اسلام سے بہرہ ور ہو گئے ہو''۔

پھر 3 مارچ 1938ء جمعرات کی شب کو میں سو رہا تھا کہ خواب میں ایسے لگا جیسے میں کچھ لڑکوں کے ساتھ گھر جا رہا ہوں۔ راستے میں ایک دیو قامت اور کریہہ المنظر شخص کھڑا ہے۔ جسے دیکھ کر ہم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا یہ دجال ہے۔ ہم میں جس سے بھی یہ پوچھے کہ تم کس کے بندے ہو تو یہی جواب دے کہ میں خدا کا بندہ ہوں پھر وہ میرے ساتھیوں سے فرداً فرداً سوال پوچھنے لگا۔ جو اس کی مرضی کے مطابق جواب دیتا اسے قسم قسم کے پھل کھانے اور کھلونے دیتا اور جو اس کی بات نہ مانتا اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ جب میری باری آئی تو اس نے پوچھا ''کس کے بندے ہو؟'' ''اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں'' میں نے [illegible] پر اس نے مجھے اس زور کا

گھونسا دیا کہ میں کئی گز دور جا گرا اور رونے لگا۔ دجال نے تحکمانہ انداز میں کہا ''ادھر آؤ'' میں ڈرتا کانپتا ادھر چلا ھی تھا کہ میرے کانوں میں حضور اکرم ﷺ کی روح پرور آواز آئی '' پہلے میرے پاس آؤ'' آپ کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ ابھی کل ھی تو میں نے آپ کو مکہ مکرمہ میں دیکھا تھا۔ آج یہاں کیسے تشریف لے آئے۔ میں دجال کی سخت مار کی وجہ سے روتا ہوا حضور ﷺ کی بارگاہ عالی میں پہنچا۔ آپ نے میری کمر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا'' دیکھ میں صرف تمہاری خاطر یہاں آیا ہوں دجال کی بات ہرگز نہ ماننا۔ میں تمہارے لئے دعا کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم ناکامی کا منہ نہیں دیکھو گے'' یہ فرما کر آپ تشریف لے گئے۔ تو میں دجال کے پاس پہنچا۔ اس نے پھر وہی سوال دہرایا میں نے بھی وہی جواب دیا۔ اس پر وہ لال پیلا ہو گیا اور مجھے پیٹنے کے لئے ہاتھ اٹھایا۔ اس پر میری چیخ نکل گئی اور میری آنکھ کھل گئی۔

اب میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دوں گا چنانچہ 4 مارچ 1983ء جمعتہ المبارک کے دن میں نے بوچھال کلاں کی جامع مسجد میں مولانا عبدالرؤف صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ مولانا عبدالرؤف صاحب سے پہلے بھی میں اسلام کے بارے میں اپنے اندر چھپے ہوئے جذبات کا اظہار کرتا رہتا تھا اور وہ میری رہنمائی فرماتے رہتے ہیں میرا اسلامی نام غازی احمد تجویز ہوا۔ میرے قبول اسلام کے بعد میرے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کی طرف سے مجھ پر ہر وہ مصیبت نازل کی گئی جس کا تصور بھی بڑا بھیانک ہے۔ مگر میں اپنے قبول اسلام کے فیصلے پر قائم رہا۔ اسلام لانے سے پہلے میں متوسط ذہن کا مالک تھا۔ اسلام کے سایہ عاطفت میں آنے کے ساتھ ھی اللہ تعالیٰ نے مجھے پر دینی و دنیاوی ترقی کے راستے کھول دیئے۔

نبی اکرم ﷺ کی دعا کا میں نے عملی طور پر اثر یوں دیکھا ہے کہ آج تک کسی امر

میں مجھے ناکامی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ آپ کی دعا میری زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ انشاءاللہ قیامت کے دن بھی یہی دعا میری نجات کا باعث بنے گی۔

۴۔ ابراھیم کوان۔ (ملائیشیا)

میں نے ساٹھ سال کی عمر تک پروٹسٹنٹ عیسائی کی حیثیت سے زندگی گزاری اور اس دوران میں تقریباً تین سال تک کوالالمپور کے چرچ میں پادری کی خدمات بھی انجام دیں مگر بالآخر اسلام کی آغوش میں آ گیا۔

1907ء میں بدھ مت والدین کے ہاں پیدا ہونے والے ابراہیم کوان نے سترہ سال کی عمر میں عیسائی مذہب اختیار کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کی حقانیت آشکار ہوتی گئی اور بالآخر ابراھیم کوان نے اسلام قبول کر لیا۔ قبول اسلام کے بارے میں ابراھیم کوان کہتے ہیں۔

''قرآن کے مسلسل اور گہرے مطالعے نے مجھے حقیقت کے قریب کر دیا اور عیسائیت کے عقائد کا کھوکھلا پن مجھ پر واضح ہوتا گیا۔ مثلاً عقیدہ تثلیث وہ گورکھ دھندا ہے جسے ہر عیسائی سمجھے بغیر اختیار کرتا ہے حالانکہ دنیا میں کوئی ایسی کتاب ہے ہی نہیں جس میں اس پیچیدہ مسئلے کی وضاحت یا تقسیم موجود ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلام توحید کا صاف ستھرا اور عقلی و منطقی عقیدہ رکھتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کبریائی میں کوئی شریک نہیں اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ذات وصفات میں وہ یکتا ہے اور محمد ﷺ اس کے آخری رسول اور نبی ہیں۔ میرے نزدیک اسلام اور عیسائیت میں یہی بنائے امتیاز ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ صحیح معنوں میں حضرت عیسیٰؑ پر میں اب ایمان لایا ہوں بمقابلہ اس دور کے جب میں نام نہاد ''عیسائی'' تھا کیوں کہ قرآن میں کتنی ہی ایسی باتیں ہیں جن کی تصدیق بائبل بھی

کرتی ہے۔ مثلاً اطاعت خداوندی، اخوت و مساوات زندگی بعد موت اور روز حشر پر یقین وغیرہ۔

اسلام عیسائیت کے مقابلے میں کہیں زیادہ عقلی، عملی، قابل فہم، منطقی اور سادہ مذہب ہے۔ اسلامی عبادات اللہ سے براہ راست تعلق جوڑتی ہیں۔

اسلام میں خدا کا تصور بڑا ہی باوقار اور پرشکوہ ہے۔

اسلامی عبادات میں زندگی اور تکمیل کا احساس ہوتا ہے۔ عیسوی طرز عبادت کی طرح ادھورا پن نہیں ہے“

۴۔ کاؤنٹ ایڈورڈ گیا دا (انگلستان)

میری پیدائش کیتھولک گھر میں ہوئی مگر میں نے اس مذہب کے پیچیدہ عقائد کو کبھی قبول نہ کیا۔ حضرت مسیح نے اخوت انسانی کی تبلیغ کی تھی کہ خدا کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ مگر کیتھولک چرچ میں داخل ہوتے ہی اخوت و مساوات کا بڑا بھیانک نقشہ نظر آتا ہے۔ امراء صف اول میں مخملیں گدوں پر جب کہ غریب بہت پیچھے لکڑی کے بینچوں پر ہوتے ہیں۔ کارڈنیل اپنے آپ کو کلیسا کے شہزادے سمجھتے ہیں پاپائے روم اپنے آپ کو حضرت مسیح کا جانشین سمجھتا ہے۔ مگر ان کی زندگی نہایت امارت سے بسر ہوتی ہے۔ ارغوانی مخمل، ریشم، کمخواب اور سمور میں ملبوس، سر پر جواہرات کا چمکتا ہوا تاج۔ پاپائے اعظم زریں تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہیں یہ منظر بلاشبہ پرشکوہ اور خوبصورت ہے مگر دلوں پر اس کا کوئی روحانی اثر نہیں ہوتا نہ اسے مسیح علیہ السلام کی تعلیمات سے کوئی واسطہ ہے۔ پھر روما کے کلیسا کے سینٹ پیٹر میں جب کوئی تقریب ہوتی ہے تو اس میں شمولیت کے لئے بھاری رقم کے عوض ٹکٹ خریدنا پڑتا ہے۔ اور تقریب میں نشست آدمی کی رقم اور حیثیت کے مطابق دی جاتی ہے۔

اس کے برعکس میں بچپن ہی سے مساجد کی سادگی اور خوبصورتی سے بڑا متاثر تھا۔ اسلامی تمدن و معاشرت نے میرے ذہن پر دور رس اثرات چھوڑے تھے۔ خصوصاً مسلمانوں کی شاعری اور فن تعمیر کا بڑا مداح تھا۔ میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ جس قوم نے تہذیب و شائستگی کے ہر پہلو کو اس قدر ترقی اور اہمیت دی ہے اور دنیا کے سامنے حسن و جمال کا ایک وسیع منظر پیش کیا ہے۔ یقیناً اس کا فلسفہ اور مذہب میں بھی بہت بلند درجہ ہوگا۔ اور یہی تجسس مجھے اسلام کے قریب لے آیا۔ تلاش حق کے لئے میں نے جدید و قدیم مذاہب کا مطالعہ شروع کیا پھر ان کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا اور پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے اور قرآن میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی انسان کو اپنے روحانی ارتقاء کیلئے ضرورت رہتی ہے۔ میں اسلام قبول کرنا چاہتا تھا مگر اپنے آبائی مذہب کو ترک کرنے کو اور پورے خاندان سے ٹکر لینے کی مجھ میں ہمت نہ تھی اسی گومگو کی کیفیت میں ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ میں متلاطم سمندر میں جان بچانے کے لئے موجوں سے لڑ رہا ہوں اور بڑی مشکلوں سے ساحل پر پہنچا ہوں۔ اسی وقت میں ایک آواز سنی کوئی کہہ رہا تھا ''تمہیں غرق ہونے سے کس نے بچایا ہے تجھے ایمان کے اقرار سے تامل کیوں ہے؟'' بیدار ہوا تو یقین کو ساحل مراد سے لگے ہوئے پایا۔ صبح ہی میں نے اسلام قبول کرلیا۔

۵۔ خالد لطیف گابا (کنہیا لال)

(ہندوستان)

خالد لطیف گابا کا آبائی نام کنہیالال تھا۔ ان کے والد پنجاب کے صوبائی وزیر تھے بیرون ملک سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد لاہور ہائی کورٹ میں وکالت کی۔ مذاہب عالم کے وسیع تر مطالعہ کے بعد [illegible] لال گابا [illegible] 1938ء میں ہندومت ترک کر کے حلقہ

بگوش اسلام ہو گئے ۔ 1934ء میں کے ۔ ایل ۔ گابا نے Prophet of the Desert نے نام سے نبی کریم ﷺ کی سیرت لکھی ۔ پنجاب ہائی کورٹ کا چیف جسٹس جان ڈگلس ینگ ان کے خاندان کا دشمن ہو گیا اور ان پر سخت مظالم ڈھائے جس پر کے ۔ ایل ۔ گابا نے نیو میگنا کارٹا کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں برطانوی عدلیہ اور محکمہ انصاف کے کھوکھلے پن کو ظاہر کر دیا ۔ جس پر گابا کے خلاف توہین عدالت کا مقدمہ دائر کر کے انہیں قید کر دیا گیا ۔ اور ضمانت کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ زر ضمانت طلب کیا ۔

اسی دوران سیالکوٹ کے ایک ٹھیکیدار الحاج ملک سردار علی کو حضور نبی اکرم ﷺ نے خواب میں تشریف لا کر ھدایت فرمائی کہ لاہور میں ایک نو مسلم خالد لطیف گابا قید میں ہے اس نے ہمارے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جو ہمیں بڑی پسند ھے ۔ لہذا اسے رہا کراؤ ملک صاحب نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ جمع کروا کے گابا صاحب کو رہا کروالیا قبول اسلام کے بعد گابا صاحب نے بادشاہی مسجد میں بہت بڑے اجتماع میں تقریر کی ۔ علامہ اقبال بھی اسی اجتماع میں موجود تھے ۔

خالد لطیف گابا نے اپنے قبول اسلام کی مندرجہ ذیل وجوہات بیان کیں ۔

'' پہلی چیز جس نے مجھے متاثر کیا وہ اسلام کی سادگی اور ہدایت ہے ارکان اسلام اتنے سادہ ہیں کہ ایک عام عقل و فہم کا آدمی بھی انہیں سمجھ سکتا ہے ۔

اسلام کو ترجیح دینے کی دوسری وجہ اسلام کی جمہوریت ہے ۔ عیسائیت میں سیاہ رنگ کے حبشی کو سفید رنگ کی عورت پر نگاہ ڈالنے کے جرم میں قتل کیا جاتا ہے ۔ سیاہ فام عیسائی عبادت کے لئے ان گرجوں میں نہیں جا سکتے جہاں سفید فام عیسائی جاتے ہیں ۔ اس کے برعکس مسجد کے دروازے ہر مسلمان کے لئے یکساں طور پر کھلے ہیں خواہ وہ کسی رنگ کا ہو اور خواہ کسی بھی نسل سے ہو ۔

ہندو مت محض مردوں کے تناسخ اور تبدیلی کا قائل ہے۔ زندوں کی حالت نہیں بدل سکتا۔ کوئی شودر کھتری نہیں بن سکتا۔ کوئی کھتری برھمن نہیں ہو سکتا۔ شودر کبھی ہندو کی سماجی زندگی میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اس کے برعکس اسلام میں محض اعلان اسلام ہی سے برابر حقوق مل جاتے ہیں۔ جس کو چاہیں چھوئیں۔ جس کے ساتھ چاہیں بیٹھیں۔ کسی پر کوئی قدغن نہیں ہے۔

برادران ملت! میری آخری وجہ ترجیح یہ ہے کہ اسلام دور حاضر کی ضروریات کے عین مطابق ہے۔ آج دنیا اخوت اور مساوات چاہتی ہے۔ اسلام کے سوا یہ نعمتیں کہاں ہیں۔ آج دنیا میں حقوق کی پکار ہے۔ اسلام عورت غلام و مزدور الغرض سب کے حقوق دلاتا ہے اسلامی معاشرے کے انہی فطری قوانین کا نتیجہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں ہنگام پروری، تماشا کاری، ساز باز، زنا اور بن بیاہی ماؤں جیسے مسائل مفقود ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں جو اسلام کی طرح دنیا کی اقوام کے اقتصادی اور اخلاقی مسائل کا تسلی بخش حل پیش کر سکے۔

۶۔ شیخ بشیر احمد (پاکستان)

میں 1928ء میں ضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں دھیان گالو کے ایک عیسائی خاندان میں پیدا ہوا۔ میرے والد مشہور پادری تھے وہ مجھے بھی ایک پادری بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ میری تعلیم و تربیت اسی نہج پر ہوئی اور بالآخر میں ایک پادری کی حیثیت سے رومن کیتھولک مشن کے ساتھ وابستہ ہو گیا ایک خوش الحان پادر یہوی ہونے کے تبلیغی میدان میں میرا انداز بڑا جارحانہ ہوتا اور جہاں میں عیسائیت کو دین حق کے طور پر پیش کرتا وہاں اسلام کے ساتھ اس کا مقابلہ بھی کرتا [illegible] اس کی برتری ثابت کرتا

۔ ایک سرکاری محکمے کی ملازمت کے دوران کچھ مسلمان رفقاءکار کی وجہ سے میرا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور اسلام کے بارے میں میرے شکوک وشبہات دور ہونے لگے۔ خصوصاً دو سوال تو مجھے بہت زیادہ سوچنے پر مجبور کر دیتے۔

۱۔ اگر عیسائیت ایک سچا مذہب ہے اور اسی کی تقلید پر انسان کی نجات کا دارومدار ہے تو یہ مذہب زوال کی طرف کیوں جا رہا ہے حالانکہ کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد محبت و اخلاق پر ہے۔

۲۔ اس کے برعکس اسلام کو ہر عیسائی جھوٹا خیال کرتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد ظلم وتشدد اور تلوار پر قائم ہے پھر یہ اس قدر ترقی کیوں کر گیا؟ جب کہ ظلم وتشدد انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ ان ہی دو بنیادی مسائل کا تقابل مجھے راہ تجسس پر دور تک لے گیا اور دس سال کی علمی وتحقیقی طلب وجستجو کے بعد سارے شکوک ذہن سے دور ہوتے گئے اور اسلام ایسی روشن حقیقت کا انکار میرے لئے ممکن نہ رہا۔ چنانچہ 23 جون 1968ء کو میں اپنے دس افراد خانہ سمیت مسلمان ہو گیا۔ اب میں نہایت اختصار کے ساتھ اسلام اور عیسائیت کے ان عقائد کا تجزیہ پیش کرتا ہوں۔ جنہوں نے ایک عرصے تک مجھے تحقیق تجسس کے میدان میں محوسفر رکھا۔

سب سے پہلے مجھے تثلیث کے مسئلے نے پریشان کیا۔ عیسائی عقیدے کے مطابق ایک خدا میں تین اقانیم ہیں۔ یعنی باپ بیٹا اور روح پاک۔ وہ تثلیث کو بہت بڑا بھید بھی کہتے ہیں جو انسان کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ میں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ عیسائی لوگ پہلے ایک خدا کہہ کر توحید کا اقرار کرتے ہیں مگر پھر ایک خدا میں تین شخص کہہ کر توحید کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔ یعنی اقرار توحید کا کرتے ہیں اور مانتے تثلیث کو ہیں۔ اس کے برعکس زمین و آسمان کائنات اور مخلوقات کا سارا نظام پکار پکار کر گواہی دیتا ہے کہ خالق حقیقی وحدہ لا

شریک ہے یعنی توحید کا تصور عام فہم اور فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ میں تثلیث کے غیر عقلی عقیدے سے منحرف ہو کر توحید پر ایمان لے آیا۔

رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں مسیحی فرقوں کی بائبلوں میں زبردست تضاد ہے۔ لطف کی بات ہے کہ دونوں فرقے ایک دوسرے کی کتابوں کو غلط کہتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے الہامی ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ رومن کیتھولک کی بائبل میں صحیفوں کی کل تعداد 74 ہے جب کہ پروٹسٹنٹ فرقے کی بائبل میں صحیفوں کی تعداد کی کل تعداد 66 ہے مزید یہ کہ ان کی آیات میں بھی تضاد ہے۔ پیدائش 3/9 آیت میں ہے کہ ''خدا غیب کا علم نہیں رکھتا''۔ متی 24/36 میں مرقوم ہے کہ ''خدا کو غیب کا علم ہے اور اس کے سوا کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا''

تمام تر تحقیق کے باوجود مجھے آج تک بائبل کا کوئی حافظ نہیں ملا۔ جب کہ قرآن لاکھوں حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہے اور ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے۔ میں بچپن سے سنتا آ رہا تھا کہ اسلام ظلم و تشدد کا علمبردار ہے اور تلوار کے زور سے پھیلا ہے جب کہ عیسائیت محبت و اخلاق سے پھیلی ہے۔ مگر پیدائشی مسیحی ہوتے ہوئے بھی یہ بات میرے مشاہدے میں آتی رہی کہ برصغیر میں انگریزوں کے آنے کے بعد لوگ پیار محبت سے عیسائی نہیں ہوئے۔ بلکہ انہیں دنیاوی لالچ دے کر عیسائی بنایا گیا۔ پھر میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ غیر ملکی مشنری یورپ اور امریکہ سے بھاری رقوم منگواتے تو مقامی عیسائیوں کی امداد کے نام پر ہیں مگر خرچ اپنی ذات پر کرتے ہیں اور تبلیغ کے نام پر گلچھرے اڑاتے ہیں۔ بلکہ یورپ کی طاقتوں نے خصوصاً اسلام کو ختم کرنے کے لئے بڑے بڑے ظلم اور دھونس دھاندلی سے بھی گریز نہیں کیا۔ اس کے برعکس مجھے یاد نہیں نہ پاکستان میں کبھی کسی غیر مسلم کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا گیا ہو۔ ہندوستان میں صدیوں تک مسلمان حکمران رہے مگر ہندو آخر تک اکثریت

میں رہے اور آزادی سے اپنے مذہب پر عمل کرتے رہے۔ تلوار یا تو دفاع کے لئے ہے یا ظالم انسان دشمن قوتوں کے لئے ورنہ نبی اکرم ﷺ سے لے کر ساری اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام رحم و کرم، محبت و شفقت اور انسانی ہمدردی کا بے نظیر مرقع ہے اور اس پر تشدد کا الزام جھوٹ اور بہتان کے سوا کچھ نہیں۔

عیسائیوں کی طرف سے عام اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسلمان ایک سے زیادہ شادیاں کرتے ہیں میں غور کیا کہ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو اپنے نبی ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہیں۔ مگر عیسائی ایک شادی کر کے بھی اپنے نبی کی سنت کی خلاف ورزی کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے سرے سے شادی کی ہی نہیں۔ پھر ایک شادی کرنا اور بیک وقت بہت سی عورتوں کے ساتھ ناجائز مراسم استوار کرنا آخر عیسائیت کی کون سی تعلیم کے تحت کیا جاتا ہے؟

دین اسلام کے جس پہلو نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ مساوات کی تعلیم ہے۔ حلقہ اسلام میں بلا امتیاز سب مسلمان برابر ہیں۔ فضیلت ہے تو صرف تقویٰ اور پرہیز گاری کی۔ مساجد میں حاکم و محکوم، گورے کالے، امیر غریب سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ یہاں عیسائیوں کی مانند گوروں اور کالوں کے گرجے الگ الگ نہیں ہوتے امیر لوگ عبادت کے وقت کرسیوں پر نہیں بیٹھتے نہ غریب اور ناخواندہ لوگ فرش پر بیٹھتے ہیں بلکہ یہاں تمام کی حیثیت برابر ہے۔ اسلام مساوات اور احترام انسانیت کا مذہب ہے اور جس دین میں مساوات ہے وہی دین حق ہے۔

۷۔ مسٹر داؤد آپمن

اس واقعہ کے راوی علامہ اقبالؒ ہیں

مشہور انگریز نو مسلم مسٹر داؤد آپمن مرحوم (ایڈیٹر مسلم آؤٹ لک۔ لاہور) ایک

نہایت زندہ دل آدمی تھے۔ آپ کی عالمانہ زندگی کی عجیب وغریب خصوصیتوں میں سے ایک یہ تھی کہ آپ کو پلاؤ سے نہایت ہی غیر معمولی محبت تھی۔ اگر کوئی شخص آپ کو پلاؤ بھیجتا تھا آپ برابر کئی ہفتے اس کا شکریہ ادا کرتے رہتے تھے میں نے ایک دن مرحوم سے سوال کیا آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے اسباب کیا ہیں؟

مرحوم نے فرمایا! میرے مسلمان کا قصہ نہایت ہی عجیب ہے اگر میں عرض کروں تو آپ حیران رہ جائیں گے میرا اسلام کے متعلق کوئی مطالعہ نہیں تھا کہ مجھے کسی عالم وفاضل مسلمان کی صحبت میسر نہ آئی تھی کہ مجھ پر اسلام کی خوبیاں منکشف ہوتیں۔ میں انگلستان سے آیا اور بمبئی میں رہنے لگا۔ ہندوستان میں میرے سب سے پہلے دوست وہ لوگ تھے جو سیاسی تحریکات میں حصہ لیتے تھے۔ بمبئی کے مذہبی حلقوں سے نہ میرا تعارف تھا اور نہ تعلق جب میں نے ہندوستان کی سیاسی تحریکات میں حصہ لینا شروع کیا تو بعض مقامی مسلمانوں سے بھی میری ملاقات ہوئی اور میں ان کے ہاں آنے جانے لگا۔ ایک دفعہ ایک معزز مسلمان نے مجھے کھانے پر بلایا اسلامی طریق کے مطابق دسترخوان بچھایا گیا اس وقت جو چیزیں میرے سامنے لائی گئیں، ان میں سے ایک پلاؤ بھی تھا۔ میری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ میری زبان اس بہشتی نعمت سے لذت اندوز ہوئی۔ میں پلاؤ کھا رہا تھا مزے لے رہا تھا، مسحور ہو رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کچھ غور کر رہا تھا۔

”آپ کیا غور کر رہے تھے“؟ ڈاکٹر اقبال نے پوچھا۔

میں نہیں کہہ سکتا، میری سوچ کیا تھی ڈاکٹر صاحب میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں میں پلاؤ کھا رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی میرے خیالات میں ایک نہایت ہی خوشگوار تبدیلی پیدا ہو رہی تھی۔ یکایک مجھے ایک خیال سوجھا۔ اس طرح کہ تمام جسم میں ایک بجلی سے دوڑ گئی میں نے محسوس کیا کہ غیب سے ایک نشتر چلا ہے اور میری کا [illegible] گئی ہے۔ میں نے خیال کیا کہ

جس قوم کا مذاق کھانے کے معاملے میں اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے دین اور روحانیت کے معاملے میں اس کا معیار کتنا کچھ لطیف اور پاکیزہ ہوگا؟ یہ کہہ کر مسٹر آپمن نے قہقہہ لگایا اور کہا'' ڈاکٹر صاحب مجھے نہ تو آپ کے کسی ملا نے مسلمان کیا اور نہ صوفی نے میں تو حضرت پلاؤ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا ہوں''۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا'' دو چار قہقہوں کے بعد مسٹر داؤد آپمن پھر سنجیدہ ہوئے اور کہنے لگے۔ میں نے پلاؤ کی رکابی کے سامنے بیٹھ کر مسلمانوں کی خوش مذاقی اور اسلام کی لطافت کا جو اندازہ کیا تھا، بعد کے مطالعہ اسلام سے وہ بالکل صحیح ثابت ہوا میں نے دیکھا کہ زندگی کے ہر میدان میں اسلام صرف بلندی اور برتری کا علمبردار ہے۔ اسلام کی سلطنت میں کہیں بھی بدمذاقی اور پستی نہیں ہے۔ جس قدر اسلام کی عبادت بلند ہے اسی قدر اسلام کی تہذیب بھی بلند ہے جس قدر اسلام کے طعام و لباس بلند ہیں، میرے نزدیک کسی شخص کے قبول اسلام کے معنی یہ ہیں کہ وہ ساری دنیا سے اونچا ہو جاتا ہے اور پھر اس کی زندگی میں جس قدر بھی اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ بھی دنیا بھر کے عملوں سے اونچے ہوتے ہیں۔

اس کے بعد مسٹر داؤد آپمن پھر ہنسے اور پلاؤ کی تعریفیں کرنے لگے ہماری گفتگو کا ماحصل یہ تھا: پلاؤ زندہ باد ڈاکٹر اقبالؒ نے کیا خوب کہا۔

اسلام زندہ باد۔ مسٹر داؤد آپمن نے جواب دیا۔

۸۔ لیڈی بارنس

لیڈی بارنس کے قبول اسلام کا واقعہ علامہ محمد اقبال نے اس طرح بیان فرمایا۔

لیڈی بارنس ایک نو مسلم فوجی انگریز کی بیوی تھیں چند سال کا ذکر ہے کہ یہ

دونوں میاں بیوی ایک مقدمے میں مبتلا ہو گئے اور اسی سلسلے میں میرے پاس آئے۔ چونکہ الزامات نادرست تھے، اس لیے تھوڑی سی پریشانی کے بعد عدالت نے ان دونوں کو عزت کے ساتھ بری کر دیا اس کے چند روز بعد لیڈی بارنس میرا شکریہ ادا کرنے کے لیے لاہور تشریف لائے۔ اس وقت میں نے سوال کیا: لیڈی صاحبہ آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے اسباب کیا ہیں۔

مسلمانوں کے ایمان کی پختگی ڈاکٹر صاب لیڈی بارنس نے جواب دیا:

لیڈی صاحب! میں نہیں سمجھا اس سے آپ کی کیا مراد ہے ڈاکٹر اقبال نے پوچھا۔

ڈاکٹر صاحب میں نے دیکھا ہے کہ دنیا بھر میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں ہے جس کا مسلمانوں کی طرح ایمان پختہ ہو۔ بس، اسی چیز نے مجھے اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا ہے۔

لیڈی بانس نے اپنا نظریہ پیش کر کے تھوڑا سا تاملفر مایا اور کہا ”ڈاکٹر صاحب، میں ایک ہوٹل کی مالکہ تھی، یہیں ایک دفعہ میجر صاحب کھانے کیلئے تشریف لائے تھے۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہیں، تھوڑا عرصہ ہماری گفتگوئیں جاری رہیں اور اس کے بعد میری ان سے شادی ہو گئی میرے ہوٹل میں ایک ستر سالہ بڈھا مسلمان ملازم تھا۔ اس بڈھے کا فرزند نہایت ہی خوبصورت نوجوان تھا پچھلی بیماری میں یہ لڑکا چل بسا تو مجھے بے حد صدمہ ہوا میں بڈھے کے پاس تعزیت کے لیے گئی، اسے تسلی دی اور دلی رنج و غم کا اظہار کیا۔ بڈھا نہایت غیر متاثر حالت میں میرے الفاظ سنتا رہا اور جب میں غم کی باتیں ختم کر چکی تو اس نے نہایت شاکرانہ انداز میں آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور کہا۔

”میم صاحب، یہ خدا کی تقدیر ہے، خدا کی امانت تھی، خدا لے گیا، اس میں غم زدہ ہونے کی کیا بات [illegible] شکریہ ادا کرنا واجب ہے“

لیڈی بانس اتنا کہہ کر رک گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس نے کوئی نہایت عجیب معجزہ بیان کیا ہے اور اب وہ زبان حال سے مجھ سے یہ مطالبہ کر رہی تھی کہ میں بھی اس کے ساتھ مل کر حیرت کا اظہار کروں، میں نے کہا ''لیڈی صاحبہ! پھر'' لیڈی صاحبہ نے پھر اپنا قصہ شروع کیا اور کہا:

''ڈاکٹر صاحب، بڈھے کا آسمان کی طرف انگلی اٹھانا ہمیشہ کیلئے میرے دل میں پیوست ہو گیا، میں بار بار اس کے الفاظ پر غور کرتی تھی اور حیران تھی کہ الٰہی، اس دنیا میں اس قسم کے صابر اور شاکر اور مطمئن دل بھی موجود ہیں، مجھے بڑی کاوش یہ تھی کہ بڈھے نے ایسا پر استقامت دل کیسے پایا؟ اسی غرض سے میں نے پوچھا ''کیا مرحوم کے اہل وعیال بھی تھے؟'' وہ کہنے لگا ''ایک چھوٹا بچہ ہے اور ایک بیوی ہے بڈھے کے اس جواب نے میری حیرت کو کم کر دیا، میں نے بڈھے کے یہ اطمینان قلب کی یہ تاویل کی کہ چونکہ پوتا موجود ہے، اس واسطے وہ اس کی زندگی اور محبت کا سہارا ہوگا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب! میں نے اس تاویل سے اگرچہ اپنے دماغ کو پرچا لیا، مگر، میرے دل کو اطمینان نہ ہوا اور میں برابر اس پڑتال میں لگی رہی کسی طرح اپنے بڈھے ملازم کے دل کی صحیح کیفیت سمجھوں۔

''اس واقعے کے تھوڑے ہی دن بعد یتیم بچے کی ماں بھی چل بسی، اس سے میرے دل کو بہت تکلیف ہوئی۔ بڈھے کی بہو کا غم میری عقل پر چھا گیا۔ مگر ٹھیک اسی وقت میری وہ قدیم تڑپ بھ جاگ اٹھی اور میں نے خیال کیا کہ بڈھے کے امتحان کا اصل وقت یہی ہے۔ میرے دل پر اس کی طویل خدمت گزاریوں کا اثر تھا۔ اس کے نوجوان فرزند کے انتقال کے بعد اب اس کی بہو کی موت اور اس کے پوتے کی یتیمی نے اس اثر کو اور بھی زیادہ چمکا دیا تھا لیکن اس فطری اور رسمی ہمدردی اور دلنوازی کے علاوہ اصل چیز جو میری دلچسپیوں کا حقیقی مرکز تھی، یہ تھی کہ میں بڈھے کی کیفیت قلب کا صحیح اندازہ کروں۔ میں دوسرے دن

بڈھے کے گاؤں کو (جو بالکل ہی قریب تھا) روانہ ہوئی، اس وقت جذبات وتخیلات کی ایک بیتاب کائنات میرے ہم رکاب تھی۔ میں ہر ایک قدم پر یہ خیال کرتی تھی کہ اس تازہ مصیبت نے بڈھے کے دل کی حالت کو بدل دیا ہوگا۔ وہ کبھی اپنی ضعیفی اور حال زار پر غور کرتا ہوگا، پھر اپنے یتیم پوتے کی کم سنی کو دیکھتا ہوگا اور غم میں ڈوب جاتا ہوگا، مگر دوسرے ہی قدم پر یہ سوچنے لگتی تھی، جب اس کا معصوم، کمسن اور لاوارث پوتا، ماں باپ کے فراق میں بلبلاتا ہوگا، تو وہ کس طریقے سے اس کے اور اپنے دل کا اطمینان کرے گا؟ وہ اس کے والدین کی قبروں کو کہاں چھپائے گا؟ وہ اسکے آنسوؤں کی جوابدہی سے کیونکر عہدہ برا ہوگا وہ اپنی ضعیفی اور اپنے پوتے کے تاریک مستقبل پر کیا پردہ ڈالے گا؟ ان تمام سوالات نے میرے دل اور دماغ کیلئے جو فیصلہ مہیا کیا، یہ تھا کہ بڈھے کا وہ پہلا صبر واستقامت ختم ہو چکا ہوگا، میں اسی فیصلے کو ساتھ لے کر بڈھے کے گھر میں داخل ہوئی اور اس کی تازہ مصیبت پر افسوس کا اظہار کیا اور اسے اپنی ہمدردی کا یقین دلایا۔ بڈھا نہایت ہی امن وسکون سے میری دردمندانہ باتیں سنتا رہا۔ لیکن جب اس کے جواب کی نوبت آئی تو اس نے پھر انگلی آسمان کی طرف اٹھا دی اور کہا ''میم صاحبہ! خدا کی تقدیر میں کوئی شخص دم نہیں مار سکتا۔ اسی نے دیا تھا اور وہی لے گیا۔ ہمیں ہر حال میں اس کا شکر کرنا واجب ہے''

لیڈی بارنس بڈھے کے الفاظ نقل کرنے کے بعد پھر رکی، گویا وہ مجھ سے ان الفاظ کی داد طلب کر رہی تھی، انہوں نے تھوڑا تامل کیا، ایسا تامل جس میں ایک قسم کی محویت ملی ہوئی تھی۔ لیڈی بارنس نے اپنے سلسلہ کلام کو پھر شروع کیا اور کہا:

''ڈاکٹر صاحب! میں جب تک بڈھے کے پاس بیٹھی رہی، نہ اس کے سینے سے آہ نکلی، نہ آنکھ سے آنسو گرا اور زبان پر افسوس کا لفظ آیا۔ وہ اس طرح اطمینان کی باتیں کرتا تھا کہ گویا اس نے اکلوتے بیٹے اور بہو کو زمین میں دفن نہیں کیا، بلکہ اپنی زندگی کا کوئی بڑا فرض

ادا کیا ہے۔ تھوڑے عرصے بعد میں وہاں سے واپس آ گئی۔ میں بڈھے کی پختگی ایمان پر بالکل حیرت زدہ تھی، میں بار بار غور کرتی تھی اور تھک جاتی تھی، مگر مجھ پر معما حل نہیں ہوا تھا کہ اس پریشانی میں کسی انسان کو یہ استقامتِ حال کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

چند روز کے بعد اس کا معصوم پوتا بھی گزر گیا، اس اطلاع کے بعد میں نے اپنی اندازہ شناسی کی تمام تاویلوں کو نئے سرے سے اپنے دماغ میں جمع کیا تاکہ اس کے حال کا اندازہ کروں۔ میں بڑی بے قراری کے عالم میں اس کے پاس گاؤں پہنچی مجھے یقین تھا کہ اب لاوارث بڈھا اپنی تمام دنیا کو ختم کر چکا ہو گا۔ اس کے حواس ہوش سے بیگانہ ہوں گے، اس کا دل و دماغ مقفل ہو گا اور یاس اس کی امید کے تمام رشتے منقطع کر چکی ہو گی۔ انہی توقعات کو ساتھ لے کر، بڈھے کے مکان میں داخل ہوئی اور نہایت ہی دلسوزی سے اسکے مصائب پر ستم کا اظہار کیا۔ مجھے یہ معلوم کر کے ازبسکہ حیرت ہوئی کہ میرے اظہار افسوس کا بڈھے کے دل پر کچھ بھی اثر نہ تھا وہ بڑی بے تکلفی سے بیٹھا تھا اور نہایت ہی غیر متاثر حالت میں میری گفتگو سن رہا تھا۔ جب میری گفتگو ختم ہو گئی تو بڈھے نے زبان کھولی۔ اس نے پہلے کی طرح اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا دی اور کہا:

''میم صاحب، یہ خدا کی حکمت کے کھیل ہیں، اس نے دیا تھا، واپس لے لیا۔ اس میں ہمارا کیا تھا جس پر ہم اپنے دل کو برا کریں، بندے کو ہر حال میں اپنے خدا کا شکر کرنا واجب ہے۔ ہم مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ اللہ کی رضا پر صبر کریں'' اب لیڈی بانس درد دل کی کیفیتوں سے لبریز تھی، اس نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا اور روتی ہوئی آواز میں کہا ''ڈاکٹر صاحب! بڈھے کا یہ جواب میرے لئے قتل کا پیغام تھا۔ اس کی انگلی آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور تیر بن کر میرے دل کو کرید رہی تھی۔ اب میں نے اس مردِ ضعیف کی پختگی ایمان کے سامنے ہمیشہ کیلئے سر جھکا دیا۔ مجھے یقین حاصل ہو گیا کہ یہ اطمینانِ قلب مصنوعی نہیں

بلکہ حقیقی ہے۔ اب میں نے کہا۔ اے میرے بوڑھے باپ! اب تم اکیلے اس گاؤں میں رہ کر کیا کرو گے، میرے ساتھ ہوٹل میں چلو اور آرام سے زندگی بسر کرو، بڈھے نے میری اس دعوت کا شکریہ ادا کیا اور بے تکلف میرے ساتھ ہوٹل چلا آیا۔ یہاں وہ دن بھر ہوٹل کی خدمت کرتا تھا اور رات کو خدا کی عبادت میں مصروف ہو جاتا۔

کچھ عرصے بعد اس نے کہا کہ میں آج قبرستان کو جاؤں گا، میرے دل میں پھر وہی امتحان لینے کی لٹک پیدا ہوئی، دل نے کہا کہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہاں اس کے صبر و تحمل پر کیا گزرتی ہے، بڈھا ہوٹل سے نکل کر اس خاموش اور ویران مقام کی طرف آیا جہاں اس کے تینوں عزیز مدفون تھے، میں ایک طرف کھڑی ہو گئی اور وہ قبرستان پہنچتے ہی پریشان حال قبروں کو درست کرنے میں مصروف ہو گیا، وہ مٹی کھود کر لاتا تھا اور قبروں کو درست کرتا تھا، اس کے بعد وہ پانی لے کر آیا اور قبروں پر چھڑکاؤ کرنے لگا، جب قبریں درست ہو گئیں تو بڈھے نے وضو کیا، ہاتھ اٹھائے اور اہل قبرستان کے حق میں دعا کی اور واپس چل دیا، میں نے اس تمام عرصے میں نہایت ہی احتیاط سے اس کی تمام حرکات کو دیکھا اور محسوس کیا کہ اس کے ہر کام میں اطمینان کا نور اور ایمان کی پختگی جلوہ گر ہے۔ اب میرے دل پر ایک غیبی نشتر چلا اور مجھے محسوس ہوا کہ یہ بڈھے کی خوبی نہیں بلکہ یہ اس دین حق کی خوبی ہے جس کا بڈھا پیرو ہے۔ میں نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کر لیا اور ہوٹل میں پہنچ کر بڈھے سے کہا کہ وہ کوئی بھی عورت بلا لائے جو مجھے اسلام کی تعلیم دے۔ بڈھا فی الفور اٹھا اور اپنے ملا کی لڑکی کو بلا لایا۔ اس نے مجھے خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کی ترغیب دی اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا سبق سکھایا۔

"ڈاکٹر صاحب! اب میں خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت سے مسلمان ہوں اور وہی عظیم الشان قوت ایمانی جس سے کہ بڈھے کا دل سیراب تھا، اپنے سینے میں موجود پاتی

ہوں۔ اب مجھے اپنے خدا پر اس قدر پختہ ایمان ہے کہ خواہ کس قدر مصیبت آئے، میرے قدموں کو کبھی لغزش نہیں ہو سکتی۔

۹۔ یہ واقعہ بھی علامہ اقبال سے مروی ہے

چند ہی سال کا ذکر ہے کہ یہاں ایک ہندو جج کا انتقال ہو گیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد یکا یک یہ خبر مشہور ہوئی کہ ان کی بیوہ مشرف بہ اسلام ہو رہی ہے۔ یہاں کے ہندوؤں کو قدرتی طور پر اس واقعے سے تکلیف ہوئی۔ عورت کے عزیز و اقارب جمع ہوئے اور اسے سمجھانے لگے۔ سب نے مل کر زور ڈالا کہ وہ مسلمان ہونے کے خیال سے دستبردار ہو جائے، لیکن اس تمام دباؤ کے باوجود عورت کے ارادے میں ذرا بھی تزلزل نہ آیا۔

’’عزیزوں کی ناکامی کے بعد دوسرا قدم جو اٹھایا گیا، یہ تھا کہ ہندو دھرم کے مذہبی پنڈت اور پیشوا بلائے گئے۔ انہوں نے کتھائیں سنائیں، تاریخی حوالے، مذہبی احکام بتائے، ہندو دھرم کی سچائی کی دلیلیں پیش کیں، تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔ مگر عورت پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ اس نے تمام مذہبی احکام سن لیے، آخر میں صرف یہ کہہ دیا کہ میں ضرور مسلمان ہوں گی،

’’اب آریہ سماج کے مبلغ بلائے گئے، انہوں نے مخالفت کا دفتر کھولا، مسلمانوں کے مظالم پیش کیے، اسلامی احکام کی تردید کی، مسلمانوں سے نفرت دلائی، اورنگ زیب اور محمود غزنوی کا ذکر چھیڑا، گائے کے نام پر اپیل کی یہ سلسلہ بھی کئی دن جاری رہا۔ مگر عورت اب بھی اپنے ارادے پر محکم تھی،

تیسرا قدم یہ تھا کہ عورت کو ڈرایا گیا، زدو کوب اور قتل کی دھمکی دی گئی۔ خوف کے ساتھ طمع کے مناظر بھی سامنے لائے گئے، مگر وہ عورت اب بھی متاثر نہ ہوئی۔

اب سوال و جواب شروع ہوئے، عورت سے پوچھا گیا'' تم کیوں مسلمان ہوتی ہو؟ تمہیں مال و دولت کی خواہش ہے؟، عورت نے کہا تم دیکھ رہے ہو میرے گھر میں کسی بھی چیز کی کمی نہ ہے۔

پھر پوچھا گیا'' تمہیں کیا کوئی نفسانی خواہش ہے؟''

'' تم میری عمر کو دیکھ رہے ہو، میں تو اب چند دن کی مہمان ہوں''، عورت نے جواب دیا۔

پھر پوچھا گیا'' کیا کسی مسلمان مولوی یا مبلغ نے تمہیں بھکایا ہے''؟

'' میں زندگی بھر کسی مسلمان مولوی یا مبلغ سے نہیں ملی'' عورت نے جواب دیا

'' پھر کوئی اسلامی کتاب پڑھی ہوگی؟'' رشتے داروں نے پوچھا

'' میں نے کوئی اسلامی کتاب دیکھی بھی نہیں'' عورت نے کہا

پوچھا'' تو پھر تم کیوں مسلمان ہوتی ہو''

عورت نے کہا'' میرے پتی سال ہا سال تک سب جج رہے، وہ بیسیوں شہروں میں گئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھی، جس جگہ میں گئی ہمیشہ اعلیٰ خاندان کی ہندو عورتوں کے ساتھ ہمارا تعلق رہا، مسلمان عورتیں بھی کبھی ہمارے گھر میں آتی تھیں، مگر یہ سب خدمت گار ہوتی تھیں کبھی اصطبل کے بہشتی کی بیوی ہمارے پاس آجاتی، کبھی دھوبن کی لڑکیاں آجاتیں، کبھی کسی مسلمان پسنہاری کو ہم خود بلا لیتے تھے، بس! اس سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں ہے''

، سامعین میں ذرا امید پیدا ہوئی اور انہوں نے کہا'' پھر تو کوئی وجہ نہیں کہ تم مسلمان ہو جاؤ''

عورت نے بیان کیا'' بے شک جن مسلمان عورتوں سے میں ملی، وہ اکثر

غریب محتاج اور میلی تھیں، متمول گھرانے کی مسلمان عورتوں سے ملنے جلنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا، مگر ہندو عورتیں جن کے ساتھ رات اور دن میری نشست و برخاست تھی، سب امیر، متمول اور روشن خیال تھیں۔ اس تفاوت کے باوجود میں نے ہر جگہ ہندو اور مسلمان عورتوں میں ایک واضح فرق دیکھا ہے۔

اس آخری جملے پر تمام سننے والوں کے دل دھڑکنے لگے سب کی نگاہیں بے اختیار عورت کی طرف جھک گئیں، ہر شخص حیرت و اضطراب کی تصویر بن گیا اور وہ ت جملے کا انتظار کرنے لگے، عورت نے اپنے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا " فرق یہ کہ جس قدر بھی ہندو عورتوں سے ملی ہوں، ان کے جسموں سے مجھے ایک قسم کی بو ضرور آئی، مگر اس کے ساتھ یہ بھی میں نے ہر جگہ دیکھا کہ غریب سے غریب مسلمان عورتوں کے جسم میں یہ بو موجود نہ تھی، میں اپنے پتی کی زندگی سے لے کر اب تک اس تفاوت پر غور کرتی رہی ہوں، لیکن سبب معلوم کرلیا ہے، میں نے معلوم کرلیا ہے کہ مسلمان چونکہ خدا پرست اور ایماندار ہیں اور ان کی روح پاک ہے، اس واسطے ان کے جسموں سے بو نہیں آتی۔ وہ صاف پہنیں یا ناصاف، ان کے جسم ضرور بو سے پاک ہوتے ہیں، لیکن اس کے برخلاف ہندو (جو مشرک ہیں اور ان کی روح پاک نہیں ہے) اس واسطے خواہ وہ کس قدر بھی صاف اور پرتکلف لباس پہنیں، ان کے جسم بو سے پاک نہیں ہوتے" اس اعلان کے بعد عورت کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اس کے چہرے پر جوش ایمانی کی سرخیاں دوڑنے لگیں اور اس نے آہ بھری اور بھرائی ہوئی آواز میں اپنے رشتے داروں کو متنبہ کیا " مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو، میں اسلامی توحید کے نور سے اپنی روح کو پاک کرنا چاہتی ہوں، اس واسطے میں ضرور مسلمان ہوں گی "

اسی وقت عورت نے اپنے غضب ناک رشتے داروں کے سامنے کلمہ پڑھا۔ وہ عورت کے بیان پر بہت سٹپٹائے۔ مگر کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ عورت اپنے اصرار

پر قائم رہی اور بالآخر مسلمان ہوگئی۔

۱۰۔ قبولِ اسلام کے اس واقعہ کے بارے میں علامہ اقبال یوں بیان فرماتے ہیں۔

شاید لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ حضرت محمد ﷺ اب تبلیغ دین نہیں فرماتے، ایسا سمجھنا مذہب عشق میں داخل خطا کاری ہے، رسول اللہ کی کوئی قوت ایسی نہ تھی جسے وقتی یا زمانی سمجھا جائے۔ حضورؐ قیامت تک پیشوائے انسانیت ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضورؐ کی ہر قوت قیامت تک کارفرما رہے گی۔ حضور ﷺ کا جلال بھی قیامت تک کارفرمائی کرے گا، اور جمال بھی۔ آپ قیامت تک کے مجاہد ہیں، قیامت تک کے مبلغ ہیں، قیامت تک کے مصلح ہیں اور قیامت تک رحمتاللعالمین ہیں بلکہ اس سے بھی آگے، بہت دور تک حضورؐ کی شخصیت مبارک موجود ہو یا نہ ہو، حضور کا روحانی فیض آپ کے وجود یا وجود کی طرح زندگی کے ہر میدان میں کارفرما رہتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ ہماری روحانیت اس قدر لطیف نہیں ہے کہ اپنے زندہ رسولؐ کے زندگی بخش فیوض کے عمل و دخل کو محسوس کرسکیں، اگر کوئی اندھا سورج کو محسوس نہیں کرتا تو اس سے سورج کی عدم موجودگی ثابت نہیں ہوسکتی۔

''سوال صرف روحانی مناسبت کا ہے، جہاں کوئی روح مناسب قابلیت حاصل کرلیتی ہے اس پر اسی وقت بلا تاخیر رسول اللہ کے روحانی فیض کا آفتاب طلوع ہوجاتا ہے اور اسی وقت وہ محسوس کرلیتا ہے کہ رسولؐ زندہ ہیں۔ سرکارِ دوعالم بنفس نفیس جہاد کر رہے ہیں، تبلیغ بھی فرما رہے ہیں اور بھولے ہوؤں کو راستے بھی بتا رہے ہیں اور گرتے ہوئے گنہگاروں کو تھام بھی رہے ہیں۔

''اب آپ رسول اللہ ﷺ کے فیض روحانی کی کارفرمائی کو واقعاتی رنگ میں دیکھیں''

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ''کچھ عرصہ ہوا، ایک دولت مند، تعلیم یافتہ، روشن خیال اور کاروباری ہندو، مولانا اصغر علی صاحب روحی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کے پاس آیا، اس نے مولانا سے درخواست کی ''آپ ایک الگ کمرے میں آجائیں''

مولانا اس کی درخواست کے مطابق تنہا کمرے میں آئے اور فرمایا ''کیا ارشاد ہے؟''

''مولانا! مجھے مسلمان بنایئے''

مولانا نے اسلام کی تلقین کی خدا کی وحدت اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا اور پوچھا ''آپ اس طرح تنہائی میں کیوں داخل اسلام ہوئے ہیں''

نووارد نے بیان کیا ''میں نے کوئی اسلامی کتاب نہیں پڑھی کسی مسلمان عالم سے اسلام کو نہیں سمجھا۔ لیکن خوش قسمتی سے کئی مرتبہ مجھے حضور ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی ہے اب میں حضور کی محبت میں بے تاب ہوں اور اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوں''

مولانا نے پوچھا ''پھر آپ فیروز پور سے چل کر لاہور کیوں آئے اور کھلے بندوں کیوں اسلام قبول نہ کیا؟''

نووارد نے اس سوال کے جواب میں اپنی تعلیم، ملازمت اور جائیداد وغیرہ کے حالات مولانا کے سامنے بیان کئے اور کہا ان حالات کی بناء پر میں اعلان نہ کرنے سے مجبور ہوں، لیکن میں آپکو اپنے اس کلام پر گواہ بنانے آیا ہوں۔ میں اللہ کی وحدت اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لاتا ہوں۔ آپ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرے ایمان کی شہادت دیجئے، میری یہ عرصے سے آرزو تھی کہ میں اس دنیا میں کسی ایک مسلمان کو اپنے ایمان کا گواہ بنالوں، خدا کا شکر ہے کہ آج میری یہ آرزو پوری ہوئی''

* * *

جمال کرم

اچھی کتابیں

باذوق قارئین کیلئے

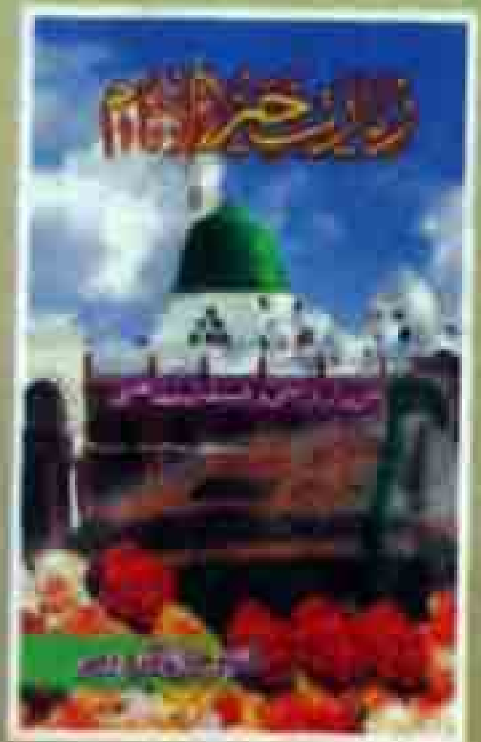
زیارت حرمین

اہل سنت و جماعت
حقیقت
کے آئینے میں

ہم مدینے چلے

پیارے نبی کی
پیاری دعائیں

ملنے کا پتہ **مکتبہ جمالِ کرم** 9۔ مرکز الاویس، دربار مارکیٹ لاہور